جلد ثالث
جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا
معرکۂ حق و باطل میں حق کی عظیم الشان فتح
فیصلہ مقدمۂ بہاولپور
جسمیں
عالیجناب منشی محمد اکبر خانصاحب بی۔ اے۔ ایل ایل بی ڈسٹرکٹ جج بہاولنگر نے
مرزائیت کو ارتداد قرار دے کر مسلمہ کا نکاح مرزائی سے فسخ فرما دیا ہے
بفرمائش حضرت مولانا غلام محمد صاحب شیخ الجامعہ بہاولپور
بہمت ابو العباس محمد صادق نعمانی طبع شد
قیمت ۱۲ آنے علاوہ محصول ڈاک
بار اول تعداد ۵۰۰۰

اعتذار و شکر

بہاولپور کے معرکۃ الآرا مقدمہ مرزائیہ کی اہمیت و شہرت اور اسلامیان ہند کی مضطربانہ انتظار کا اقتضا یہ تھا کہ اس تاریخی مقدمہ کے بصیرت افروز فیصلہ کی اشاعت میں تاخیر نہ کیجائے۔ مگر باقاعدہ نقل۔ کتابت طباعت اور انکے مصارف ایسے امور تھے جنہوں نے اشاعت کو تعویق میں رکھا حتیٰ کہ بعض اصحاب نے خطوط اور اخبارات کے ذریعہ مجھکو اشاعت کیطرف توجہ دلائی اگرچہ بمقتضائے کل امر مرہون باوقاتہ اشاعت میں غیر معمولی تاخیر ہوئی ہے۔ تاہم مجھے اپنے فرض سے سبکدوشی حاصل ہو گئی الحمدللہ علیٰ ذالک جن اصحاب نے فیصلہ کی اشاعت کیطرف توجہ دلائی یا اسکی اشاعت میں مالی امداد فرمائی ہے میں ان تمام اصحاب کا عموماً اور انجمن مؤیدالاسلام بہاولپور کا خصوصاً شکریہ ادا کرتا ہوں۔ انجمن موصوف نے مقدمہ کے مصارف اور فیصلہ کی طباعت میں نمایاں حصہ لیا ہے۔ اور قابلِ قدر خدمت انجام دی ہے۔ دعا ہے کہ حق تعالیٰ اس فیصلہ کو طالبین حق کے لئے مشعل ہدایت بنائے آمین۔

(مولانا) غلام محمد۔ شیخ الجامعہ بہاولپور

حجازی الیکٹرک پریس بیرون موری دروازہ لاہور میں باہتمام حافظ محمد اسمٰعیل پرنٹر چھپکر مولانا محمد صادق صاحب پبلشر نے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریب

بہاولپور شمالی پنجاب کی ریاستوں میں سے سب سے بڑی اسلامی ریاست ہے۔ جسکو معدلت گستر تاجدار عباسی نواب حاجی سر صادق محمد خاں صاحب بالقابہ ادام اللہ تعالےٰ اقبالہٗ وملکہٗ کی قلمرو ہونیکا فخر حاصل ہے۔ یہ بصیرت افروز فیصلہ اس سرزمین معدلت آئین کے ایک روشنضمیر دقیق النظر فاضل جج کی کامل دو سال کی تحقیق شرعی کا صحیح نتیجہ ہے۔

اس معرکتہ الآرا مقدمہ کے تاریخی حالات اور عدالتی مراحل اور فریق ثانی کی درمیانی تعویقات کی پوری سرگذشت عالیجناب ڈسٹرکٹ جج صاحب بہادر کے فیصلہ میں بطور تمہید نہایت جامعیت کیساتھ مذکور ہی جسکا اعادہ تحصیل حاصل سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا۔ لہذا یہ فیصلہ بغیر کسی تمہید یا دیباچہ کے شائع کیا جاتا ہے۔ مگر ناظرین کی بصیرت کیلئے صرف

اسقدر گذارش کیجاتی ہے کہ جب مسل مقدمہ ہذا عدالت عالیہ دربار معلّٰے سے باایں
حکم عدالت ڈسٹرکٹ جج صاحب واپس ہوئی کہ مستند مشاہیر علماء ہند کی شہادت لیکر
بروئے احکام شرع شریف فیصلہ کیا جاوے تو صاحب ممدوح نے علامۃ العصر حضرت
شیخ الجامع صاحب و حضرت مولنا محمد حسین صاحب کوٹ تارڑ مبلغ اسلام کی
شہادت لینے کے بعد فریقین کو اپنے اپنے مسلک کے مستند اور مشاہیر علماء کو
بغرض شہادت پیش کرنیکا حکم دیا - اسجگہ یہ بیان کر دینا بھی ضروری ہے - کہ
اگرچہ یہ مقدمہ عرصہ سات سال سے چل رہا تھا اور مدعا علیہ فخر و مباہات کے
طور پر علانیہ کہا کرتا تھا - کہ قادیان کا خزانہ اور منظم جماعت اسکی پشت پر ہے
مگر مسلمانوں نے ہمیشہ اس کو شخصی مقدمہ سمجھے رکھا - اور مدعیہ کی مالی امداد
میں کبھی کوئی حصہ نہ لیا - عدالت کے اس حکم کے بعد مسلمانانِ بہاولپور میں
قدرتاً یہ احساس پیدا ہوا - کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مدعیہ کا افلاس اور اسکی ناداری اسکو
شہادت شرعی پیش کرنیسے قاصر رکھے -

انجمن مؤید الاسلام بہاولپور نے حضرات علماء کرام کے مصارف آمد و رفت
قیام و طعام کے انتظام کے لئے ایک سب کمیٹی زیر صدارت حضرت شیخ الجامعہ
صاحب مقرر فرمائی - سب کمیٹی نے کامل اخلاص اور دیانت سے کام کیا مسلمانانِ
بہاولپور نے ناموس شریعت کی حفاظت کے لئے نہایت ایثار اور فراخدلی سے

مالی امداد کی جزاھم اللہ تعالے خیر الجزاء۔

مدعیہ کیطرف سے شہادت کے لئے شیخ الاسلام حضرت مولنا سید محمد انور شاہ صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) حضرت مولنا سید محمد مرتضی حسن صاحب چاندپوری۔ حضرت مولنا محمد نجم الدین صاحب پروفیسر اورنٹیل کالج لاہور۔ و مولنا محمد شفیع صاحب مفتی دار العلوم دیوبند پیش ہوئے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تشریف آوری نے تمام ہندوستان کی توجہ کیلئے جذب مقناطیسی کا کام کیا۔ اسلامی ھند میں اس مقدمہ کو غیر فانی شہرت حاصل ہو گئی۔ حضرات علماء کرام نے اپنی اپنی شہادتوں میں علم و عرفان کے دریا بہائے۔ اور فرقہ ضالہ مرزائیہ کا کفر و ارتداد روز روشن کیطرح ظاہر کر دیا۔ اور فریق مخالف کی جرح کے نہایت مسکت جواب دیئے۔

خصوصاً حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالے علیہ نے اپنی شہادت میں ایمان۔ کفر۔ نفاق۔ زندقہ۔ ارتداد۔ ختم نبوت۔ اجماع۔ تواتر۔ متواترات کے اقسام وحی۔ کشف۔ الہام۔ کی تعریفات اور ایسے اصول و قواعد بیان فرمائے جنکے مطالعہ سے ہر ایک انسان علی وجہ البصیرت بطلان مرزائیت کا یقین کامل حاصل کر سکتا ہے۔

پھر فریق ثانی کی شہادت شروع ہوئی مقدمہ کی پیروکاری اور شہادت پر جرح کرنے اور قادیانی دجل و تزویر کو آشکارا کرنے کے لئے شہرۂ آفاق مناظر

حضرت مولنا ابو الوفا صاحب نعمانی۔ شاہجہان پوری تشریف لائے۔ مولنا موصوف مختار مدعیہ ہو کر تقریباً ڈیڑھ سال مقدمہ کی پیروکاری فرماتے رہے۔ فریق ثانی کی شہادت پر ایسی باطل شکن جرح فرمائی جس نے مرزائیت کی بنیادوں کو کھوکھلا اور مرزائی دجل و فریب کے تمام پردوں کو پارہ پارہ کر کے فرقہ مرزائیہ ضالہ کا ارتداد آشکار عالم کر دیا۔ فریقین کی شہادت کے ختم ہونیکے بعد مولانا موصوف نے مقدمہ پر بحث پیش کی اور فریق ثانی کی تحریری بحث کا تحریری جواب الجواب نہایت مفصل اور جامع پیش کیا کامل دو سال کی تحقیق و تنقیح کے بعد عالیجناب ڈسٹرکٹ جج صاحب بہادر نے اس تاریخی مقدمہ کا بصیرت افروز فیصلہ ۷ فروری ۱۹۳۵ء کو بحق مدعیہ سنایا۔ یہ فیصلہ اپنی جامعیت اور قوت استدلال کے لحاظ سے یقیناً بےنظیر و بےبدیل ھے۔ مسلمانان ھند کی بہرہ اندوزی کیخاطر اس فیصلہ کو ایک کتابی صورت میں شائع کیا جاتا ھے درحقیقت یہ مواد مقدمہ کی تیسری جلد ہے۔ اس سے پہلے دو جلدیں اور ہونگی جلد اول میں حضرات علماء کرام کی مکمل شہادتیں اور جلد ثانی میں مولنا ابو الوفا صاحب نعمانی کی بحث اور جواب الجواب شائع کیا جائیگا۔

باقی رہا یہ سوال کہ یہ دونوں جلدیں کب شائع ہونگی۔ اس کا جواب مسلمانان ہند کی ہمت اور حوصلہ افزائی پر موقوف ھے۔ تیسری جلد جتنا

جلدی فروخت ہو گی اُسی انداز سے پہلی دو جلدوں کی اشاعت میں آسانی ہو گی۔

حضرات علمائے کرام کے بیانات اور بحث اور جواب الجواب تردید مرزائیت کا بنسیط ذخیرہ ہے۔ اگر خدا تعالےٰ کے فضل و کرم سے یہ تینوں جلدیں شائع ہو گئیں۔ تو تردید مرزائیت میں کسی دوسری تصنیف کی قطعاً حاجت نہ رہیگی۔

مسلمانان ہند سے عموماً اور شعبۂ تبلیغ مجلس احرار ہند و مجلس عالیہ ڈابھیل و انجمن ہائے حزب اللہ بہاولپور و انجمن مؤید الاسلام بہاولپور و دیگر مجالس مذہبی سے خصوصاً گذارش ہے کہ جہانتک ہو سکے اس کی فروخت و اشاعت میں حصہ لیکر ثواب دارین حاصل کریں۔

۲۵ر جولائی ۱۹۳۵ء

ابوالعباس نعمانی۔ موریدروازہ

بہاولپور موریدروازہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

نقل تجویز اخیر باجلاس عالیجناب منشی محمد اکبر خانصاحب بی۔ اے۔ ایل ایل بی

ڈسٹرکٹ جج ضلع بہاولنگر

ریاست بہاولپور

مسماۃ غلام عائشہ بنت مولوی الٰہی بخش ذات ملانہ عمر ۱۸/۱۹ سال سکنہ احمد پور شرقیہ بمختاری الٰہی بخش ولد محمود ذات ملانہ ساکن احمد پور شرقیہ معلم مدرسہ عربیہ

بنام

عبد الرزاق ولد مولوی جان محمد ذات باجہ عمر ۲۳ سال ساکن موضع مہند تحصیل احمد پور شرقیہ۔ حال مقیم میلسی شہر گیج ریڈر سب ڈویژن انہار میلسی ضلع ملتان

دعوے دلاپانے ڈگری استقراریہ مشعر فسخ نکاح فریقین بوجہ ارتداد شوہر مدعا علیہ

یہ ایک خاص نوعیت اور اہمیت کا مقدمہ ہے۔ جو سال ۱۹۲۶ء میں دائر ہو کر ایک دفعہ انتہائی مراحل اپیل طے کر چکا ہے۔ اور سال ۱۹۳۲ء سے پھر ایک نئی شان اور

نئے اسلوب سے ابتدائی حیثیت میں عدالت ہذا میں زیر سماعت چلا آیا ہے۔ واقعات
مختصراً یہ ہیں۔ کہ مولوی الٰہی بخش والد مدعیہ اور مولوی عبدالرزاق مدعا علیہ باہمی رشتہ دار
ہیں۔ اور ابتداءً یہ دونوں علاقہ ڈیرہ غازیخاں میں رہتے تھے۔ عبدالرزاق کی ہمشیرہ
مولوی الٰہی بخش سے بیاہی ہوئی تھی۔ اور مولوی الٰہی بخش نے اپنی لڑکی مسماۃ غلام عائشہ
مدعیہ کا نکاح اس کے ایام نابالغی میں عبدالرزاق مدعا علیہ سے کر دیا تھا۔

یہ لڑکی اس کی ایک سابقہ بیوی کے بطن سے تھی۔ اور اس کا نکاح وہیں فریقین
کے ابتدائی مسکن پر ہوا تھا۔ اس کے بعد مولوی الٰہی بخش وہاں سے ترک سکونت کر کے
علاقہ ریاست ہذا میں چلا آیا۔ اور سال ۱۹۱۶ء میں اس نے موضع ہمند تحصیل خیرپور ٹامیوالی
میں ایک زمیندار کے ہاں عربی تعلیم دینے پر ملازمت اختیار کر لی۔ مدعیہ کیطرف سے
کہا جاتا ہے۔ کہ اس سے ایکسال کے بعد مدعا علیہ بھی بمعہ اپنی والدہ اور دو ہمشیرگان
کے وہاں سے ترک سکونت کر کے مولوی الٰہی بخش کے پاس موضع ہمند میں آگیا اور
اپنے کنبہ کو وہاں چھوڑ کر خود حصول معاش کے لئے مختلف مقامات پر پھرتا رہا۔ دوران قیام
موضع ہمند میں اس نے اپنے سابقہ اعتقادات سے انحراف کر کے مرزائی مذہب اختیار
کر لیا۔ اور وہاں اپنے قادیانی۔ مرزائی ہونیکا اعلان بھی کرتا رہا۔ اس کے بعد اس نے مولوی
الٰہی بخش سے مدعیہ کے رخصتانہ کے متعلق استدعا کی۔ تو اس نے یہ جواب دیا کہ جب تک وہ
مرزائی مذہب ترک نہ کریگا مدعیہ کا بازو اس کے حوالہ نہیں کیا جائیگا۔ چنانچہ مدعا علیہ کچھ
عرصہ مدعیہ کے رخصتانہ کے درپے رہا۔ لیکن اُسے یہی جواب دیا جاتا رہا کہ اس کے مرزائی مذہب
پر قائم رہنے کی صورت میں مدعیہ اُس کے حوالہ نہیں کیجا سکتی۔ جب اُسے کامیابی کی امید نظر
نہ آئی۔ تو وہ پھر ریاست ہذا سے ترک سکونت کر کے علاقہ برٹش انڈیا میں چلا گیا اور
حدود ریاست ہذا کے قریب علاقہ تحصیل لودھراں میں سکونت اختیار کر لی۔
ان سوالات پر کہ مدعا علیہ نے حدود ریاست سے سکونت کب ترک کی۔ اور کہاں اس نے

مرزائی یا احمدی مذہب کہاں اور کب اختیار کیا۔ آگے بحث کیجائیگی۔ یہاں اب صرف یہ درج کیا جاتا ہے کہ مدعیہ کے اِس رخصتانہ کے سوال پر والد مدعیہ اور مدعا علیہ کے درمیان کشیدگی پیدا ہو گئی۔ اور والد مدعیہ نے مدعیہ کیطرف سے بحیثیت اس کے مختار کے ۲۴ر جولائی ۱۹۲۶ء کو مدعا علیہ کے خلاف یہ دعوےٰ بدیں بیان دائر کیا۔ کہ مدعیہ اب تک نابالغ رہی ہے۔ اب عرصہ دو سال سے بالغ ہوئی ہے۔ مدعا علیہ ناکح مدعیہ نے مذہب اہلسنت والجماعت ترک کر کے قادیانی۔ مرزائی مذہب اختیار کر لیا ہے۔ اور اِس وجہ سے وہ مرتد ہو گیا ہے۔ اُس کے مرتد ہو جانے کے باعث مدعیہ اب اس کی منکوحہ نہیں رہی۔ کیونکہ وہ شرعًا کافر ہو گیا ہے۔ اور بموجب احکام شرع شریف بوجہ ارتداد مدعا علیہ مدعیہ مستحق انفراق زوجیت ہے۔ اِس لئے ڈگری تنسیخ نکاح بحق مدعیہ صادر کیجاوے اور یہ قرار دیا جاوے۔ کہ مدعیہ بوجہ مرزائی ہو جانے مدعا علیہ کے اس کی منکوحہ جائز نہیں رہی۔ اور نکاح بوجہ ارتداد مدعا علیہ قائم نہیں رہا۔

مدعا علیہ نے اِس کے جواب میں یہ کہا ہے۔ کہ اس نے کوئی مذہب تبدیل نہیں کیا اور نہ ہی وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ بلکہ وہ بدستور مسلمان اور احکام شرعی کا پورا پابندی احمدی کوئی علیحدہ مذہب نہیں۔ نہ وہ مرزائی ہے۔ نہ قادیانی نکاح ہر صورت میں جائز اور قابل تکمیل ہے۔ عقائد احمدیہ کیوجہ سے جو صلاحیت مذہبی کیطرف رجوع دلاتے ہیں وہ مرتد نہیں ہو جاتا۔ عدالت عالیہ چیف کورٹ بہاولپور۔ مدراس اور دیگر ہائی کورٹوں سے یہ امر فیصلہ پا چکا ہے۔ کہ جماعت احمدیہ کے مسلمان اصلاح یافتہ فرقہ میں سے ہیں۔ مرتد یا کافر نہیں ہیں۔ دعوےٰ ناجائز اور قابل اخراج ہے۔ اور کہ بنار دعوےٰ بمقام منہدر ریاست بہاولپور قائم نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ نہ فریقین کی وہاں سکونت رہی ہے اور نہ ہی مدعا علیہ نے وہاں سرسیل کی کوئی تحریک کی۔ علاوہ ازیں کسی مقام پر سرسیل کی تحریک کئے جانے سے وہ مقام قانوناً بنائے دعوےٰ تصور نہیں کیا جا سکتا۔ دعوےٰ وہاں سماعت ہونا چاہیئے جہاں

مدعا علیہ کی مستقل سکونت ہو۔ یا بناء دعوے پیدا ہوئی ہو۔ مقدمہ حال میں مدعا علیہ کی مستقل سکونت چونکہ علاقہ ملتان میں ہے اور نکاح ضلع ڈیرہ غازیخاں میں ہوا تھا۔ اس لئے دعوے حدود ریاست ہذا میں سماعت نہیں ہو سکتا۔

یہ دعوے ابتداءً منصفی احمدپور شرقیہ میں دائر ہوا تھا۔ منصف صاحب احمدپور شرقیہ نے فریقین کے مختصر سے بیانات قلمبند کرنے کے بعد ۴ر نومبر ۱۹۲۶ء کو حسب ذیل امور تنقیح طلب قرار دئے۔

۱۔ کیا مدعا علیہ مذہب قادیانی یا مرزائیت اختیار کر چکا ہے اور اس لئے ارتداد لازم آتا ہے۔

۲۔ اگر تنقیح بالا بحق مدعیہ ثابت ہو۔ تو کیا نکاح فیما بین فریقین قابل انفساخ ہے۔

ان تنقیحات کے ثبوت میں مدعیہ نے مدعا علیہ کو عدالت مذکور میں بحیثیت گواہ خود پیش کیا۔ تو مدعا علیہ نے ۵ر دسمبر ۱۹۲۶ء کو یہ بیان کیا کہ یہ درست ہے۔ کہ وہ مرزا غلام احمد صاحب کو مسیح موعود تسلیم کرتا ہے۔ اور ساتھ ہی انہیں نبی بھی مانتا ہے۔ اس معنے میں کہ مرزا صاحب نبی کریم صلعم (حضرت محمد مصطفےٰ صلعم) کے تابعدار ہیں۔ اور آپ کی شریعت کے پیرو ہیں اور آنحضرت صلعم کی غلامی کیوجہ سے آپ نبوت کے درجہ پر فائز ہوئے اور اس وقت تک اس کا یہی اعتقاد ہے۔ گویا وہ سلسلہ احمدیت میں منسلک ہو چکا ہے وہ مرزا صاحب کو ان معنوں میں نبی کہتا ہے۔ جس معنوں میں کہ قرآن کریم نبوت کو پیش کرتا ہے۔ جیسا کہ دیگر انبیاء علیہ السلام ہیں کہ ان پر وحی اور الہام وارد ہوتے ہیں۔ چونکہ وہ مرزا غلام احمد صاحب کو نبی تسلیم کرتا ہے۔ اس لئے وہ یہ بھی مانتا ہے کہ ان پر بمثل دیگر انبیاء علیہم السلام کے نزول ملائکہ و جبرئیل علیہ السلام ہوتا تھا۔

اس بیان کو مدنظر رکھتے ہوئے منصف صاحب احمدپور شرقیہ نے ۲۰ر جنوری ۱۹۲۶ء کو یہ امر مزید تنقیح طلب قرار دیا۔ کہ کیا اس اعتقاد کیصورت میں جو مدعا علیہ نے بیان کیا ہے

کردہ مرزا غلام احمد کو نبی تسلیم کرتا ہے۔ اس معنے میں کہ مثل دیگر انبیاء علیہم السلام مرزا صاحب اسیہ پر وحی اور الہام وارد ہوتے تھے۔ کوئی شخص مذہب اسلام میں شامل رہ سکتا ہے اور اس کا بار ثبوت مدعا علیہ پر عائد کیا۔ اس کے بعد مدعا علیہ نے ۱۹ فروری ۱۹۲۷ء کو ایک درخواست پیش کی۔ کہ سابقہ تاریخ پر اس نے جو بیان دیا تھا۔ اس میں اس نے اپنے اعتقادات مذہبی کو بخوبی واضح کر دیا تھا۔ لیکن عدالت نے اس سے جو خلاصہ اخذ کیا ہے۔ وہ اس کے اصلی اعتقاد مذہبی کے مغائر ہے۔ چونکہ اعتقاد مذہبی کی غلط تعبیر سے مقدمہ پر کافی اثر پڑتا ہے اس لئے اپنے اعتقاد مذہبی کو منمدعا علیہ ذیل میں بیان کرتا ہے۔ تا کہ غلط فہمی نہ رہے۔

میں خداوند تعالےٰ کو واحد لاشریک مانتا ہوں۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کو خاتم النبیین تسلیم کرتا ہوں۔ قرآن کریم کو کامل الہامی کتاب مانتا ہوں۔ کلمہ طیبہ پر میرا ایمان ہے۔ اور حضرت محمد صلعم کی برکت اور آپ کی توسط سے اور آپ کی شریعت مقدسہ کی اطاعت سے حضرت مرزا صاحب کو اُمتی نبی تسلیم کرتا ہوں۔ حضرت مرزا صاحب کوئی نئی شریعت نہیں لائے۔ بلکہ شریعت محمدی کے تابع اور اشاعت کرنے والے ہیں۔ ان پر وحی اور الہام بابرکت حضرت نبی کریم صلعم وارد ہوتے تھے۔

اس درخواست میں یہ استدعا کی گئی - کہ جو امر تنقیح سابقہ تاریخ پر وضع کیا گیا ہے وہ درست نہیں ہے۔ تنقیح بالفاظ ذیل وضع ہونا چاہیئے۔ کہ آیا مدعا علیہ جس کا مذہبی اعتقاد یہ ہو۔ جو کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ مرتد ہے اور مسلمان نہیں ہے۔ اور اس کا ثبوت بذمہ مدعیہ عائد کیا جاوے۔ مگر عدالت نے اس درخواست پر کوئی التفات نہ کی اور اُسے شامل مسل کر دیا۔

اس کے بعد بحکم ۲ مئی ۱۹۲۷ء عدالت عالیہ چیف کورٹ یہ مقدمہ عدالت ہذا میں منتقل ہوا۔ اور عدالت ہذا میں ۷ دسمبر ۱۹۲۷ء کو مدعا علیہ نے اپنے عقائد کی پھر ایک فہرست پیش کی۔ جنکا ذکر مناسب جگہ پر کیا جائے گا۔

مدعا علیہ

یہ مقدمہ عدالت ہذا سے بحکم ۱۰۔ نومبر ۱۹۲۶ء اس بنا پر خارج کیا گیا۔ کہ عدالت عالیہ چیف کورٹ بہاولپور سے اِسی قسم کے ایک مقدمہ بعنوان مسماۃ جندوڈی بنام کریم بخش میں باتباع فیصلہ جات عدالتہائے اعلیٰ مدراس۔ پٹنہ و پنجاب کے یہ قرار دیا جا چکا ہے۔ کہ احمدی مسلمانوں کا ایک فرقہ ہیں۔ نہ کہ اسلام سے باہر۔ اور کہ مرزائی مذہب اختیار کرنیسے کسی سنی عورت کا نکاح اس شخص کیساتھ جو اس مذہب کو قبول کرلے فسخ نہیں ہو جاتا۔ اور کہ مدعیہ کیطرف سے اِن فیصلہ جات کے خلاف کوئی سند پیش نہیں کیگئی۔

عدالت ہذا کا یہ حکم برطبق اپیل عدالت عالیہ چیف کورٹ سے بحال رہا۔ لیکن اپیل ثانی پر عدالت مُعلّےٰ اجلاس خاص سے یہ قرار دیا گیا۔ کہ عدالت ہذا سے فریقین کے پیشکردہ اسناد پر بحث کئے بغیر دعوے مدعیہ خارج کر دیا گیا ہے۔ اور فاضل ججان چیف کورٹ نے اپنے فیصلہ میں یہ تسلیم کیا ہے کہ پٹنہ و پنجاب ہائی کورٹوں کے فیصلہ جات مقدمہ ہذا میں حاوی نہیں ہو سکتے کیونکہ ان میں غیر متعلق سوال زیر بحث رہے ہیں۔ البتہ مدراس ہائی کورٹ کے فیصلہ مندرجہ ۱۷۔ انڈین کیسز ۵۰۰ میں سوال زیر بحث بجنسہٖ یہی تھا۔ کہ آیا احمدی ہو جانے سے ارتداد واقع ہوتا ہے۔ یا نہ۔ لیکن ہم نے اِس فیصلہ کو بغور مطالعہ کیا ہے۔ ہم فاضل ججان چیف کورٹ کی رائے سے اختلاف کرتے ہیں۔ کہ فیصلہ مذکورہ بالا مکمل چھان بین سے طے پایا تھا۔ کیونکہ فاضل ججان مدراس ہائی کورٹ خود فیصلہ میں تسلیم کرتے ہیں۔ کہ اِن کے پاس کوئی خاص سند اِس بات کی پیش نہیں کیگئی کہ فلاں فلاں اسلام کے بنیادی اصول ہیں۔ اور اِن سے اِس حد یا اِس درجہ تک اختلاف کرنے سے ارتداد واقع ہوتا ہے۔ یا کن اسلامی عقائد کی پیروی یا کن عقائد کے نہ ماننے سے ارتداد واقع ہوتا ہے۔ اِس فیصلہ میں پھر فاضل ججان یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس سوال کو کہ آیا عقائد قادیانی سے ارتداد واقع ہوتا ہے یا نہ۔ علمائے اِسلام بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں۔ اس لئے ہماری رائے میں فاضل ججان ہائیکورٹ کا فیصلہ سوال زیر بحث پر قطعی نہیں ہے۔ اور ہمیں مقدمہ ہذا میں اس کی پیروی کرنیکی ضرورت نہیں۔ اِس قرارداد کیساتھ

یہ مقدمہ اس ہدایت کیساتھ واپس ہوا۔ کہ گو مولوی غلام محمد صاحب شیخ الجامعہ۔ جامع عباسیہ بہاولپور کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص کا قادیانی عقائد کے مطابق یہ ایمان ہو کہ حضرت محمد صلعم کے بعد کوئی اور نبی آیا ہے اور اس پر وحی نازل ہوئی ہے تو ایسا شخص چونکہ ختم نبوۃ حضرت رسول کریم صلعم کا منکر ہے۔ اور ختم نبوۃ اسلام کے ضروریات میں سے ہے۔ لہٰذا وہ کافر ہے۔ اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ لیکن ہم اس مقدمہ کا فیصلہ کرنے کے لئے شیخ الجامعہ صاحب کی رائے کو کافی نہیں سمجھتے۔ جبتک کہ دیگر ہندوستان کے بڑے بڑے علماء دین بھی اس رائے سے اتفاق نہ رکھتے ہوں۔ اس لئے مقدمہ مزید تحقیقات کا محتاج ہے اور مدعاعلیہ کو بھی موقعہ دینا چاہئے کہ شیخ الجامعہ صاحب کے بالمقابل اپنے دلائل پیش کرے۔

واپسی پر اس مقدمہ میں فریقین کے ہم مذہب اور ہم خیال اشخاص کی فرقہ بندی شروع ہو گئی اور تقریباً تمام ہندوستان میں اس کے متعلق ایک ہیجان پیدا ہو گیا۔ اور طرفین سے ان کی جماعت کے بڑے بڑے علماء بطور مختاران فریقین و بطور گواہان پیش ہونے لگے۔ ان کے اسطرح میدان میں آنیسے قدرتاً یہ سوال عوام کے لئے جاذب توجہ بن گیا۔ اور پبلک کو اس میں ایک خاص دلچسپی پیدا ہو گئی۔ اور ہر تاریخ سماعت پر لوگ جوق در جوق کمرہ عدالت میں آنے لگے۔ چنانچہ عوام کی اس دلچسپی اور مذہبی جوش کو مدنظر رکھتے ہوئے حفظ امن قائم رکھنے کیخاطر پولیس کی امداد کی ضرورت محسوس کیگئی۔ اور عدالت ہذا کی تحریک پر صاحب بہادر کمشنر پولیس کیطرف سے ہر تاریخ پیشی پر پولیس کا خاطر خواہ انتظام کیا جاتا رہا۔ امر مابہ النزاع حل و حرمت سے تعلق رکھنے کے علاوہ ضمناً چونکہ مدعاعلیہ کے ہم خیال جماعت کی تکفیر پر بھی مشتمل ہے۔ اس لئے طرفین کو اس مقدمہ میں کھلے دل سے اپنے دلائل سندات اور بحث ہائے تحریری و تقریری پیش کرنیکا کافی اور کافی موقعہ دیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ مدعاعلیہ کیطرف سے ایک ایک گواہ کے بیان اور جرح پر بعض دفعہ مسلسل ایک ایک مہینہ بھی صرف ہوا ہے۔ اور اسکی طرف سے جو بحث تحریری پیش ہوئی ہے۔ وہ کئی سو ورق پر مشتمل ہے۔ اور فیصلہ میں تعویق زیادہ تر مسل کے اسقدر ضخیم

بن جانیکی وجہ سے بھی ہوئی ہے۔ دورانِ سماعت مقدمہ ہٰذا میں مدعا علیہ نے مدعیہ اور اس کے والد مولوی الٰہی بخش کے خلاف ۲۲ راگست ۱۹۳۲ء کو عدالت سب جج صاحب درجہ دوم ملتان میں دعوے اعادہ حقوق زناشوئی دائر کرکے عدالت موصوف سے اِن ہر دو کے خلاف ۱ر جون ۱۹۳۳ء کو ڈگری یکطرفہ حاصل کرلی۔ اور اِس مقدمہ میں جبکہ شہادت فریقین ختم ہوکر مدعیہ کیطرف سے بحث بھی سماعت ہوچکی تھی۔ مدعا علیہ کیطرف سے یہ عذر برپا کیا گیا کہ عدالت ہٰذا کو اختیار سماعت مقدمہ ہٰذا حاصل نہیں۔ کیونکہ بناء دعوے حدود ریاست ہٰذا میں پیدا نہیں ہوئی اور نہ ہی مدعا علیہ کی رہائش عارضی یا مستقل ریاست ہٰذا کے اندر ہوئی ہے

دوسرا عدالت سرکار برطانیہ سے مدعا علیہ کے حق میں ڈگری استقرار حق زوجیت برخلاف مدعیہ و الٰہی بخش والدش کے صادر ہوچکی ہے۔ اِس لئے بروئے دفعہ ۱۱ ضابطہ دیوانی عدالت ہٰذا کو اس کے متعلق فیصلہ کرنیکا حق نہیں ہے۔ اور کہ بموجب دفعات ۱۳۔۱۴۔ ضابطہ دیوانی ڈگری مذکور قطعی ہوچکی ہے۔ اور اِس کے صادر ہونے کے بعد مقدمہ زیر سماعت عدالت ہٰذا نہیں چل سکتا۔

مدعا علیہ کے اِن عذرات کو بوجہ اِس کے کہ وہ عدالت ہٰذا کے اختیار سماعت سے تعلق رکھتے تھے۔ اہم سمجھا جاکر اس مقدمہ میں ۸۔ نومبر ۱۹۳۳ء کو حسب ذیل مزید تنقیحات ایزاد کیگئی۔

۱۔ کیا مدعا علیہ کی سکونت بوقت دائری دعوے ہٰذا حدود ضلع ہٰذا میں تھی۔ یا یہ کہ بناء دعوے حدود ضلع ہٰذا میں پیدا ہوئی اس لئے دعوے قابل سماعت عدالت ہٰذا ہے۔

۲۔ اگر تنقیح بالا بخلاف مدعیہ طے ہو تو کیا عدالت ہٰذا کے اختیار سماعت کا سوال اِس مرحلہ پر جبکہ مقدمہ پہلے مدا لہنائے اعلےٰ تک پہنچ چکا ہے۔ اور مدعا علیہ برابر پیروی کرتا رہا ہی نہیں اٹھایا جاسکتا۔

۳۔ کیا ڈگری ملک غیر کی بناء پر جو بحق مدعا علیہ برخلاف مدعیہ صادر ہوئی ہے۔ سماعت

مقدمہ ہذا میں دفعات ۱۳-۱۴ ضابطہ دیوانی عارض نہیں ہیں۔ ان تنقیحات کے وضع کرنے سے قبل مدعا علیہ کیطرف سے محکمہ معلےٰ وزارت عدلیہ میں پیشگاہ حضور سرکار عالی دام اقبالہٗ و ملکہٗ میں پیش کئے جانے کے لئے ایک درخواست مشتملہ عذرات مذکورہ بالا موصول ہوئی۔ جو ہمراہ طور عدالت ہذا میں بھجوادی گئی۔ اس درخواست کے مطالعہ سے یہ ضروری خیال کیا گیا کہ مدعا علیہ کیطرف سے بحث پیش ہونے سے قبل ان قانونی عذرات مذکورہ بالا کو طے کرلیا جاوے۔ اس لئے ۲-نومبر ۱۹۳۳ء کو فریقین کے نام نوٹس بدیں اطلاع جاری کئے جانیکا حکم دیا گیا۔ کہ وہ تاریخ مقررہ پر اپنے علماء کو ہمراہ نہ لاویں بلکہ خود حاضر ہوں۔ تاکہ ان قانونی سوالات پر غور کیجاکر انہیں طے کرلیا جاوے۔ مدعیہ کیطرف سے عدالت ہذا کے اس حکم کی ناراضی سے محکمہ معلےٰ اجلاس خاص میں درخواست نگرانی پیش کیگئی ہے۔ اور محکمہ معلےٰ نے بحکم ۔ نومبر ۱۹۳۳ء یہ قرار دیا۔ کہ فریق مدعیہ پر تعمیل نوٹس درست نہیں ہوئی۔ لہٰذا یہ ہدایت کیگئی۔ کہ سلسلہ بحث اور جدید امور کی دریافت کو ساتھ ساتھ جاری رکھا جاوے۔ اور اگر کسی فریق کے حق میں التوار مقدمہ ضروری خیال کیا جاوے۔ تو دوسرے فریق کو اس فریق سے مناسب ہرجانہ دلایا جاوے۔ باتباع اس حکم کے فریقین کو جدید تنقیحات کے متعلق اپنا اپنا ثبوت پیش کرنیکی ہدایت کیگئی۔ اور مختاران مدعا علیہ کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنی طرف سے سلسلہ بحث کو بھی جاری رکھیں۔ اس کے بعد جب جدید تنقیحات مذکورہ بالا کے متعلق طرفین کی شہادت ختم ہوچکی۔ تو مدعا علیہ نے پھر ۱۰-جنوری ۱۹۳۴ء کو ایک درخواست کے ذریعہ یہ عذر برپا کیا۔ کہ امور ذیل کو بھی زیر تنقیح لایا جاوے۔

کہ کیا مدعا علیہ کی وطنیت ریاست بہاولپور میں واقع ہے۔

اگر تنقیح بالا مدعیہ کے خلاف ثابت ہو۔ تو پھر بھی عدالت ہذا کو اختیار سماعت حاصل ہے

اس درخواست کو اس بنا پر مسترد کردیا گیا۔ کہ مدعا علیہ کیطرف سے اس قسم کا پہلے کوئی عذر نہیں اٹھایا گیا۔ حالانکہ وہ پہلے قانونی مشورہ حاصل کرکے پیروی کرتا رہا ہے۔ علاوہ ازیں

جہاں تک اِس کے اِس جدید عذر کا قانونی پہلو ہے۔ اِس کے متعلق وہ اپنی بحث کے وقت قانون پیش کر سکتا ہے۔ واقعات کے لحاظ سے فریقین کیطرف سے مثل پر جو مواد لایا جا چکا ہے۔ وہ اِس سوال پر بھی بحث کرنے کے لئے کافی ہے۔ لہذا کسی مزید تنقیح کے وضع کرنے کی ضرورت خیال نہیں کیجاتی۔

اِس سے قبل دوران شہادت میں مدعا علیہ کیطرف سے ایک حجت یہ بھی پیدا کیگئی تھی کہ مدعیہ بوقت ارجاع نالش نابالغ تھی۔ اِس لئے اب اِس سے خود دریافت ہونا چاہیئے کہ وہ مقدمہ چلانا چاہتی ہے یا نہ۔ لہذا اِس سوال کے متعلق بھی یکم مارچ ۱۹۳۳ء کو ایک تنقیح بایں الفاظ وضع کیا گیا تھا۔ کہ مدعیہ بوقت ارجاع نالش نابالغ تھی۔ اور اِس کا بار ثبوت مدعا علیہ پر عائد کیا گیا۔ کیونکہ مدعیہ کیطرف سے اُسے بالغ ظاہر کیا جا کر بمختاری والدش دعوئے دائر کیا گیا تھا۔ لیکن بعد میں اِس تنقیح کو بحکم ۹؍ مارچ ۱۹۳۳ء خارج کیا گیا۔ کیونکہ قانوناً مدعا علیہ کا یہ عذر ناقابل پذیرائی تھا۔ ملاحظہ ہو ۴۷۔ انڈین کیسز صفحہ ۳۰۹ اب ذیل میں دیگر قانونی سوالات پر بحث کیجاتی ہے۔

مدعا علیہ کا اہم عذر یہ ہے۔ کہ اس نے کبھی حدود ریاست ہذا میں سکونت اختیار نہیں کی اور نہ ہی اس نے یہاں احمدی مذہب قبول کیا ہے بلکہ وہ ۵۔۶ سال تک شیخواہ میں رہا ہے وہاں سے اُس نے سال ۱۹۲۲ء میں ایک خط کے ذریعہ مرزا صاحب کے خلیفہ ثانی کیساتھ بیعت کی تھی۔ اور بیعت کرنے کے ۵۔۶ ماہ بعد اُس نے اپنے موجودہ مسکن واقعہ علاقہ تودھراں میں آکر سکونت اختیار کی۔ یہاں اُس نے آکر ایک مکان تعمیر کرایا۔ اور اِس وقت سے یہاں مقیم ہے۔

مدعیہ کیطرف سے کہا جاتا ہے کہ مدعا علیہ ضلع ڈیرہ غازی خاں سے ترک سکونت کرنے کے بعد سید محمد مولوی الٰہی بخش والد مدعیہ کے پاس حدود ریاست ہذا میں آیا اور یہاں بود و باش شروع کی۔ مرزائی مذہب اس نے ایک شخص مولوی نظام الدین کی ترغیب پر قبول کیا جو موضع

مہند مسکن والد مدعیہ کے قریب رہتا ہے۔ اور دعوے ہذا دائر ہونے کے بعد وہ حدود ریاست ہذا کے باہر چلا گیا ہے۔ ان امور کے متعلق فریقین کیطرف سے جو شہادت پیش ہوئی ہے۔ اس سے حسب ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں۔

مدعا علیہ کی یہ حجت درست نہیں پائی جاتی۔ کہ وہ کبھی ریاست ہذا میں نہیں آیا بلکہ مدعیہ کی پیشکردہ شہادت سے جسکی کہ مدعا علیہ کیطرف سے کوئی خاطر خواہ تردید نہیں کیگئی یہ ثابت ہے۔ کہ مدعا علیہ مولوی الٰہی بخش کے یہاں آنے کے بعد اپنے مسکن واقعہ علاقہ ضلع ڈیرہ غازیخان سے سیدھا حدود ریاست ہذا میں مولوی الٰہی بخش والد مدعیہ کے پاس آیا۔ اور اپنی والدہ اور ہمشیرگان کو اس کے ہاں چھوڑ کر خود حصول معاش کے لئے حدود ریاست ہذا کے اندر مختلف مقامات پر پھرتا رہا۔ اور کچھ عرصہ کے بعد پھر مولوی الٰہی بخش کے پاس آکر ٹھیرتا رہا۔ اس کے بعد جب مدعیہ کے رخصتانہ کا سلسلہ شروع ہوا۔ تو وہ ترک سکونت کرکے یہاں سے چلا گیا۔ اور غالبًا صحیح یہی ہے۔ کہ وہ مقدمہ ہذا دائر ہونے سے قبل ہی چلا گیا ہے کیونکہ خود مدعیہ نے عرضیدعوے میں اس کی سکونت بمقام میلسی درج کرائی ہے۔ چنانچہ اس پتہ پر جب سمن جاری کیا گیا۔ تو مختار مدعیہ نے پھر ۱۴ اگست ۱۹۲۶ء کو منصفی احمد پور شرقیہ میں ایک درخواست پیش کی۔ کہ مدعا علیہ کی سکونت گو دعوے میں بمقام میلسی لکھی ہوئی ہے۔ لیکن اب مدعا علیہ یہاں احمد پور شرقیہ میں موجود ہے۔ پھر تعمیل نہیں ہو سکیگی۔ اب اس پتہ پر سمن جاری کیا جا کر تعمیل کرا بجاوے۔ چنانچہ اسی روز عدالت سے سمن جاری کیا جا کر مدعا علیہ کی اطلاعیابی کرائی گئی۔ مدعا علیہ کہتا ہے کہ اُسے وہاں دھوکہ سے بلوایا گیا لیکن یہ سوال چنداں اہم نہیں۔ وہ چاہے جسطرح احمد پور شرقیہ میں آیا یہ امر واقعہ ہے۔ کہ سمن پر اس کی اطلاعیابی وہاں کرائی گئی۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ دائری دعوے کیوقت اُس کی رہائش حدود ریاست ہذا کے اندر نہ تھی۔ لہٰذا اس بنا پر مدعا علیہ کی یہ حجت درست ہی کہ دائری دعوے کیوقت چونکہ حدود ریاست ہذا کے اندر اس کی عارضی یا مستقل سکونت

نہ تھی۔ اِس لئے یہاں اِس کے خلاف دعوے دائر نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن اُس کے ساتھ ہی مدعیہ کی پھر یہ حُجت ہے۔ کہ مدعا علیہ نے اپنا مذہب چونکہ حدود ریاست ہٰذا کے اندر تبدیل کیا ہے۔ اس لئے اُسے مدعا علیہ کے تبدیل مذہب سے بنا دعوے پیدا ہوتی ہے۔ اور اِس لحاظ سے مدعا علیہ کے خلاف یہاں دعوے درست طور دائر کیا گیا ہے۔

مدعا علیہ بیان کرتا ہے۔ کہ اس نے احمدی مذہب شیخواہ ضلع ملتان میں قبول کیا تھا۔ اور کہ ابتداءً وہ ضلع ڈیرہ غازیخاں سے شیخواہ میں ہی گیا تھا۔ اس کی طرف سے بیعت کا ایک خط پیش کیا گیا ہے۔ جو ڈاکخانہ دنیا پور سے ۱۱ر جنوری ۱۹۲۲ء کو خلیفہ صاحب ثانی کی خدمت میں بھجوایا گیا۔ اور جس پر بغیر کسی ولدیت۔ قومیت کے صرف عبدالرزاق احمدی لکھا ہوا ہے۔ اس سے یقینی طور پر یہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کہ یہ خط اسی عبدالرزاق مدعا علیہ کا تحریر شدہ ہے۔ شناخت خط کے بارہ میں مدعا علیہ کیطرف سے دو گواہان پیش ہوئے ہیں۔ جنمیں ایک اللہ بخش بالکل نوعمر لڑکا ہے۔ وہ بیان کرتا ہے۔ کہ وہ شیخواہ میں مدعا علیہ کے پاس پڑھا کرتا تھا۔ اسوقت وہ مدعا علیہ کو لکھتا ہوا دیکھا کرتا تھا۔ شناخت خط کے بارہ میں پہلے تو اُس نے یہ کہا۔ کہ شاید وہ نہ پہچان سکے۔ لیکن پھر بیان کیا۔ کہ وہ شناخت کرتا ہے۔ کہ خط شمولہ مسل مدعا علیہ کا تحریر کردہ ہے۔ لیکن اول تو جس وقت یہ گواہ مدعا علیہ کو لکھتا ہوا دیکھنا بیان کرتا ہے۔ اسوقت خود اس کی اپنی عمر کوئی ۱۳۔ ۱۴ سال کے قریب ہو گی۔ غیر اغلب ہے۔ کہ اس عمر میں اُس نے مدعا علیہ کی طرز تحریر کو بخوبی ذہن نشین کر لیا ہو۔ دوسرا وہ اس خط کی شناخت کے متعلق کوئی خاص وجوہات بیان نہیں کر سکا۔ علاوہ ازیں جب اسکی مذبذب بیانی کو مدنظر رکھا جاوے۔ تو اس کی شہادت بالکل ناقابل اعتبار ہو جاتی ہے۔ اسیطرح دوسرے گواہ کی شہادت بھی سرسری قسم کی ہے۔ اور اُس پر بھی پُورا بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔

مدعا علیہ بیان کرتا ہے کہ وہ شیخواہ میں ۵۔ ۶ سال رہا۔ لیکن وہاں کی سکونت ثابت کرنے

کے لئے بھی اس کی طرف سے ہی اللہ بخش گواہ پیش ہوا ہے۔ دیگر گواہان صرف سماعی طور پر بیان کرتے ہیں۔ کہ وہ لودھراں میں وہاں سے آیا تھا۔ لہٰذا اِس ضمن میں مدعاعلیہ کیطرف سے مسل پر جو مواد لایا گیا ہے۔ اِس سے یہ قرار دینا مشکل ہے۔ کہ مدعاعلیہ اپنے موجودہ مسکن پر سکونت پذیر ہونے سے قبل شیخواہ میں رہتا تھا۔ اور کہ اُس نے احمدی مذہب بھی وہیں اختیار کیا تھا۔ اس کی طرف سے بیعت کا جو خط پیش کیا گیا ہے۔ اُس کے متعلق قابل اطمینان طریق پر یہ ثابت نہیں کیا گیا۔ کہ وہ اِسی عبدالرزاق مدعاعلیہ کا ہے۔ اِن تمام واقعات سے یہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ مدعاعلیہ نے علاقہ لودھراں میں سکونت اختیار کرنے سے قبل جہاں پہلے سکونت اختیار کی ہوئی تھی۔ احمدی مذہب اس نے وہاں قبول کیا۔ مدعاعلیہ حسب ادعا خود یہ ثابت کرنے میں کامیاب نہیں رہا۔ کہ اِس کی یہ سابقہ سکونت شیخواہ میں تھی۔ برعکس اس کے مدعیہ کیطرف سے یہ ثابت ہے کہ مدعاعلیہ اپنی موجودہ سکونت اختیار کرنے سے قبل حدود ریاست ہذا میں سکونت پذیر تھا۔ اِس لئے مدعاعلیہ کے اپنے بیان سے ہی یہ ثابت قرار دیا جا سکتا ہے کہ اس نے احمدی مذہب حدود ریاست ہذا میں اختیار کیا۔ اور اس کی تائید مدعیہ کی پیش کردہ شہادت سے بھی ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ قرار دیا جاتا ہے کہ مدعاعلیہ کا مذہب تبدیل کرنا چونکہ حدود ریاست ہذا کے اندر اس کی جائے سکونت موضع مہند میں وقوع میں آیا ہے۔ اِس لئے اِس بنا پر مدعیہ کو ضلع ہذا کے اندر بنائے دعوےٰ پیدا ہوئی ہے۔ لہٰذا عدالت ہذا کو اِس مقدمہ کی سماعت کا مکمل اختیار حاصل ہے۔

مدعاعلیہ کے اِس اعتراض کے جواب میں کہ اس کی چونکہ حدود ریاست ہذا کے اندر سکونت نہیں رہی۔ اس لئے عدالت ہذا کو اس کے خلاف سماعت مقدمہ ہذا کا اختیار حاصل نہیں ہوتا مدعیہ کیطرف سے یہ بھی کہا گیا ہے۔ کہ مدعاعلیہ نے گو ابتدًا یہ عذر اُٹھایا تھا لیکن بعد میں عدالتہائے اپیل میں جا کر اُس نے اُسے ترک کر دیا۔ اور شروع سے لیکر آخر تک وہ برابر اس کی پیروی کرتا رہا۔ اِس لئے سمجھا جائیگا۔ کہ اُس نے عدالت ہذا کے اختیار سماعت کو قبول کر لیا تھا۔

اِس لئے اب وہ اس پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتا۔ اِس بارہ میں فیصلہ ۹۲ انڈین کیسز صفحہ ۴۵۶ بطور سند پیش کیا گیا ہے۔ اِس کے متعلق مدعا علیہ کیطرف سے یہ کہا جاتا ہے۔ کہ پیشیں چونکہ مدعیہ کیطرف سے ہوتی رہی تھیں۔ اس لئے اُسے اعتراض کرنیکی ضرورت نہ تھی۔ علاوہ ازیں مقدمہ چونکہ دوبارہ ابتدائی حیثیت میں عدالت ہذا کے زیر سماعت آگیا ہے۔ اِس لئے وہ اِس سوال پر عدالت کو متوجہ کر سکتا ہے۔ مگر مدعا علیہ کی یہ حُجت درست معلوم نہیں ہوتی۔ کہ اُسکو اپیل میں یہ عذر اُٹھانے کی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ فیصلہ اِس کے خلاف ہونا ممکن تھا اسلئے اُسے ہر پہلو سے اپنی جوابدہی کرنی چاہیئے تھی۔ اور گو کہ مقدمہ اب پھر ابتدائی حیثیت میں سماعت کیا گیا ہے۔ تاہم اِس مقدمہ کے سابقہ مراحل کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اور اگر اِس حجت کو درست بھی تسلیم کر لیا جاوے۔ تو چونکہ اُوپر یہ قرار دیا جا چکا ہے۔ کہ مدعا علیہ کے تبدیل مذہب سے بنا دعوئے حدود ریاست ہذا میں پیدا ہوئی ہے۔ اِس لئے اِس سوال پر مزید کسی بحث کی ضرورت نہیں رہتی۔ اور عدالت ہذا سے مدعا علیہ کے خلاف یہ دعوئے درست طور سماعت کیا گیا ہے

اِس قرار داد سے ان تنقیحات میں سے پہلے دو کا جو ۸ نومبر ۱۹۳۲ء کو وضع کیگئی تھیں فیصلہ ہو جاتا ہے۔ باقی تیسری تنقیح کے متعلق جو ڈگری ملک غیر کی بابت ہے۔ صرف یہ درج کر دینا کافی ہے۔ کہ عدالت صادر کنندہ ڈگری کے روبرو یہ سوال کہ مدعا علیہ تبدیل مذہب کیوجہ سے مرتد ہو چکا ہے۔ اور اِس لئے مدعیہ اُس کی منکوحہ نہیں رہی۔ زیر بحث نہیں آیا۔ اور نہ ہی یہ پایا جاتا ہے۔ کہ اِس عدالت کو یہ جتلایا گیا کہ اِس نکاح کے بارہ میں مدعیہ کیطرف سے عدالت ہذا میں بھی مقدمہ دائر ہے۔ اِس لئے سمجھا جائیگا کہ وہ فیصلہ صحیح واقعات پر صادر نہیں ہوا۔ اور ڈگری دھوکے سے حاصل کیگئی۔ لہٰذا وہ ڈگری بروئے ضمن (ب) و (ہ) دفعہ ۱۳ ضابطہ دیوانی قطعی قرار نہیں دیجا سکتی۔ اسیطرح دفعہ ۱۱ ضابطہ دیوانی کا اطلاق واقعات مقدمہ ہذا پر نہیں ہوتا۔ کیونکہ جیسا کہ اُوپر قرار دیا گیا ہے۔ ایک تو وہ ڈگری قطعی نہیں دوسرا وہ کسی عدالت واقع اندرون حدود ریاست ہذا کی صادر شدہ نہیں۔ اسلئے یہ تیسری تنقیح

بھی بحق مدعیہ و برخلاف مدعا علیہ طے کیجاتی ہے۔

مدعا علیہ کیطرف سے اِس امر پر زور دیا گیا ہے۔ کہ فریقین چونکہ درحقیقت اپنی شہریت اور وطنیت کے لحاظ سے برٹش انڈیا سے تعلق رکھنے والے ہیں۔ اور والد مدعیہ نے خود یا اس کے کسی گواہ نے یہ دعوٰے نہیں کیا۔ کہ وہ ہمیشہ کے لئے برٹش شہریت اور وطنیت چھوڑ چکا ہے۔ کیونکہ شہریت اور وطنیت کو ترک کرنے کے لئے لازمی ہے۔ کہ یہ فعل علانیہ طور پر اور پبلک اظہار کے بعد قانونی حیثیت سے کیا جاوے۔ اس لئے تاوقتیکہ یہ ثابت نہ ہو۔ ایسے نکاح متنازعہ کے متعلق قانون بین الاقوامی یہ ہے۔ کہ وہ نکاح جو اِس ملک کے قانون کے لحاظ سے جائز ہے۔ جہاں سے وہ منعقد ہوا۔ وہ ساری دنیا میں جائز اور درست ہے۔ اور کوئی دوسرے ملک کی عدالت اسے ناجائز قرار نہیں دیسکتی۔ اور پھر ایسے نکاح کی تنسیخ کے متعلق بھی قانون بین الاقوامی یہ ہے۔ کہ جس ملک میں ہر دو زوجین کو وطنیت حاصل ہو۔ صرف وہیں کی عدالت تنسیخ کا مقدمہ سن سکتی ہے۔ اور اِس قانون کی رُو سے بیوی کی وطنیت وہی جگہ تصور ہوگی۔ جہاں خاوند کی وطنیت ہو۔

فریقین کیطرف سے جو شہادت پیش ہوئی ہے۔ اِس کا ماحصل یہ ہے۔ کہ فریقین اپنی ابتدائی برطانوی شہریت و وطنیت پر قائم ہیں۔

گو حصولِ معاش کے لئے ایک فریق نے اپنی رہائش بہاولپور میں رکھی ہوئی ہے۔ مگر بعض دوسری جگہ رہائش رکھنے سے اصل وطنیت کا ترک ہونا لازم نہیں آتا۔ مدعیہ کا نکاح علاقہ انگریزی میں ہوا۔ جہاں کہ مدعیہ کی بیان کردہ وجہ ارتداد کو تسلیم نہیں کیا جاتا۔ اِس وجہ سے علاقہ انگریزی کے قانون کی رُو سے یہ نکاح صحیح اور جائز ہے

لیکن مدعا علیہ کی یہ حُجت اس لئے وزندار نہیں۔ کہ اول تو یہ ثابت ہے۔ کہ مولوی الٰہی بخش بہت مُدت سے اپنے سابقہ مسکن سے ترکِ سکونت کرکے حدود ریاست ہذا میں رہائش پذیر ہی اِس کے کافی مدت کے بود و باش اور دیگر افعال سے یہ بخوبی اخذ ہوتا ہے کہ وہ حدود ریاست

ہذا میں مستقل سکونت اختیار کر چکا ہے۔ اور اس کا اپنے سابقہ مسکن پر واپس جانیکا ارادہ نہیں۔ کیونکہ اس بارہ میں جو شہادت پیش ہوئی ہے۔ اس سے یہ پایا جاتا ہے۔ کہ علاقہ ضلع ڈیرہ غازیخاں میں اب اس کا اپنا کوئی گھر موجود نہیں۔ مدعیہ چونکہ اس وقت نابالغ تھی اور بطور زوجہ مدعا علیہ کے حوالہ نہ کیگئی تھی۔ اس لئے اس کا اپنے والد کے ہمراہ یہاں چلے آنے اور اس کیساتھ بود و باش رکھنے سے یہ سمجھا جائیگا۔ کہ اس نے بھی اب بذیل اپنے والد کے یہاں کی وطنیت اختیار کر لی ہے۔ علاوہ ازیں یہ پایا جاتا ہے۔ کہ جب وہ بالغ ہوئی تو اس نے مدعا علیہ کی زوجیت سے انکار کر دیا۔ اور یہ حجت کی۔ کہ ضلع ڈیرہ غازیخاں میں اس کا جو نکاح مدعا علیہ سے ہوا تھا۔ وہ بوجہ ارتداد مدعا علیہ قائم نہیں رہا۔ اس لئے کیونکر کہا جا سکتا ہے۔ کہ مدعیہ کی وطنیت بھی اب وہی شمار ہوگی۔ جو کہ مدعا علیہ نے اختیار کی ہوئی ہے۔ کیونکہ وہ وہاں نہ بطور زوجہ اس کے ساتھ آباد رہی۔ اور نہ اب حقوق زوجیت کو تسلیم کر کے اس کے ساتھ وہاں آباد ہونیکو آمادہ ہے۔ اسلئے لامحالہ یہ قرار دینا پڑے گا کہ مدعیہ نے بھی اب یہیں وطنیت اختیار کی ہوئی ہے۔ اور اگر بافرض محال مدعا علیہ کی اس حجت کو درست بھی مان لیا جاوے تو بھی مدعا علیہ کامیاب نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ اس مقدمہ کی کاروائی یہاں بھی اس ضابطہ دیوانی کے تحت کیگئی ہے۔ جو علاقہ انگریزی میں جاری ہے۔ اور نکاح زیر بحث کا تصفیہ اسی شخصی قانون کے تحت کیا جا رہا ہے۔ کہ جس کی رُو سے قانون مروجہ علاقہ انگریزی کی رُو سے تصفیہ کئے جانیکی ہدایت ہے یعنے بروئے شرع محمدی۔ اس لئے کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ ریاست ہذا کا قانون جس کے تحت مقدمہ ہذا میں کاروائی کیجا رہی ہے۔ وہ برٹش انڈیا کے قانون سے مختلف ہے۔ ہاں قانون کی تعبیر کا سوال دوسرا ہے کسی قانون کی تعبیر اس قانون کا جزو شمار نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کسی عدالت کو مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ کہ وہ کسی خاص قانون کی تعبیر وہی کرے۔ جو دوسری عدالت نے کی ہے تاوقتیکہ وہ اس کی ماتحت عدالت نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ہی مسئلہ پر مختلف ہائی کورٹوں کی مختلف

قرار دادیں پائی جاتی ہیں۔ مقدمہ حال میں عدالت معلے اجلاس خاص نے مدارس ہائی کورٹ کے فیصلہ کو معاملہ زیر بحث کے متعلق قطعی نہ سمجھتے ہوئے قابل پیروی خیال نہیں کیا۔ اور عدالت معلیٰ کی یہ قرار داد قانوناً بالکل درست ہے۔ اس لئے نہیں کہا جا سکتا۔ کہ قانون بین الاقوامی کی اگر یہ سمجھا بھی جاوے۔ کہ وہ ریاست ہٰذا اور برٹش انڈیا کے مابین حاوی ہے۔ کوئی خلاف ورزی کیگئی ہے۔ کیونکہ یہاں اُسی قانون پر عمل کیا جا رہا ہے جو برٹش انڈیا میں مروج ہے۔ اور اگر وطنیت کو ہی معیار سماعت دعوئے قرار دیا جاوے تو چونکہ مدعیہ کی وطنیت حدود ریاست ہٰذا کے اندر پائی جاتی ہے۔ اس لئے اس لحاظ سے بھی ریاست ہٰذا کے عدالتوں کو اس مقدمہ کی سماعت کا اختیار حاصل ہے۔ لہٰذا یہ مقدمہ عدالت ہٰذا میں درست طور پر رجوع ہو کر زیر سماعت لایا گیا ہے۔

ان قانونی امور کو طے کرنیکے بعد اب اصل معاملہ مابہ النزاع کیطرف رجوع کیا جاتا ہے اور قبل اس کے کہ اس سوال پر فریقین کی پیش کردہ شہادت اور دلائل پر بحث کیجاوے یہ سمجھنے کے لئے کہ قادیانی یا مرزائی یا احمدی مذہب کیا ہے اور مذہب اسلام کے ساتھ اس کا کیا لگاؤ ہے۔ اور اس مذہب کے قبول کرنے والے کو کیوں مرتد سمجھا گیا ہے۔ کچھ مختصر سی تمہید کی ضرورت ہے۔

یہ بات کچھ خلاف واقع نہ ہوگی۔ اگر یہ کہا جاوے۔ کہ ہر مذہب و ملت کے نزدیک ابتدائے آفرینش اور وجود باری تعالےٰ کا علم کتب سماوی سے ہوا ہے۔ ممکن ہے کہ تمام مذاہب کے متعلق یہ رائے صحیح نہ ہو۔ تو کم از کم یہود۔ نصاریٰ اور مسلمانوں کے متعلق بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے۔ کہ ان کے مذاہب کی رو سے نہ صرف امور مذکورہ بالا کا علم کتب سماوی سے ہوا ہے۔ بلکہ ابتدائے آفرینش کے بارہ میں ان کی کتب سماوی کا قریباً قریباً باہمی اتفاق بھی ہے اس بحث سے کچھ یہ دکھلانا بھی مقصود ہے۔ کہ صرف مسلمان ہی ایک ایسی قوم نہیں۔ جو کہ اپنی مذہبی کتاب قرآن مجید کو منزل من اللہ کہنے والی ہے۔ بلکہ اس قسم کا عقیدہ دیگر اقوام

میں بھی پایا جاتا ہے۔ اور وہ بھی اپنے مذاہب کی بنیادی کتابوں کے منزل من اللہ ہونے کے قائل ہیں۔ مسئلہ زیر بحث کا چونکہ صرف مسلمانوں سے تعلق ہے۔ اس لئے یہاں صرف ان کی آسمانی کتاب قرآن مجید کا ہی ذکر کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید کے مطالعہ سے پایا جاتا ہے کہ خداوند تعالے نے جب آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ تو انہیں ایک خاص درخت کے پھل کھانے سے منع فرمایا گیا۔ اس کے بعد جب آدم علیہ السلام نے غلطی سے اس پھل کو کھا لیا۔ تو ان کو باغ جنت سے بدخل کر دیا گیا۔ اور شیطان کو بھی جس کی ترغیب پر انہوں نے وہ پھل کھایا تھا۔ وہاں سے نکالا گیا۔ اور یہ ارشاد ہوا۔ کہ قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا ۚ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۔ نیچے جاؤ یہاں سے تم سب۔ پھر اگر پہنچے میری طرف سے کوئی ہدایت۔ تو جو چلا میری ہدایت پر نہ خوف ہوگا ان پر اور نہ وہ غمگین ہونگے۔ (سورہ بقرہ رکوع ۴)

بار یتعالے کیطرف سے یہ ہدایت پھر اس کے رسولوں کے ذریعہ سے جو کہ انسانوں میں سے منتخب کئے جاتے ہیں پہنچتی رہی حتی کہ رسولوں کا یہ سلسلہ حضرت محمد مصطفےٰ صلعم تک جاری رہا۔ موسیٰ کے بعد آئندہ سلسلۂ رسالت جاری رہنے میں لوگوں میں اختلاف ہونے لگا۔ اور عیسیٰ کے مبعوث ہونے پر جن لوگوں نے انہیں نہ مانا اور جو موسیٰ کی ہدایت پر قائم رہے۔ وہ یہود کہلائے اور جنہوں نے عیسیٰ کو نبی تسلیم کر لیا وہ نصاریٰ کہلائے اور پھر بعد جب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملی تو انہیں جن لوگوں نے نبی تسلیم کر کے انکی تعلیم پر چلنا شروع کیا۔ وہ مسلمان کہلاتے ہیں۔ اب مُدعیہ کیطرف سے یہ کہا جاتا ہے۔ کہ مسلمانوں کا یہ عقیدہ اور ایمان ہے کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلعم آخری نبی ہیں۔ اور ان کے بعد اور کوئی نیا نبی نہیں ہو سکتا۔ ہاں البتہ آخری زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو آسمان پر زندہ ہیں۔ آسمان سے نزول فرماویں گے۔ اور حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کی شریعت پر چل کر لوگوں کو راہ ہدایت دکھلائیں گے۔ اور رسول اللہ صلعم کی شریعت پر چلنے کیوجہ سے اُمتی نبی کہلائیں گے۔

اب انیسویں صدی کے آخر میں مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے جو مدعا علیہ کے پیشوا ہیں۔

اِن روایات کی جو نزول عیسٰی علیہ السلام کے متعلق مسلمانوں میں مشہور چلی آتی تھیں۔ یہ تعبیر کی ہے۔ کہ عیسٰی علیہ السلام جو مسیح ناصری تھے فوت ہو چکے ہیں۔ انہوں نے واپس نہیں آنا۔ اور نہ ان کا واپس آنا بروئے آیات قرآنی ممکن ہے۔ اور نہ وہ نبی ہو کر اُمتی ہو سکتے ہیں۔ بلکہ اُمتی نبی سے یہ مُراد ہے۔ کہ حضرت محمد مصطفٰے صلعم کے کمال اتباع اور فیض سے اُن کے کسی اُمتی کو نبوت کا درجہ عطا کیا جائیگا۔ اور اِس تعبیر کیساتھ انہوں نے اِس درجہ کا اپنے لئے مختص ہونے کا دعوٰے کیا ہے۔ اِس دعوٰے کی تائید میں فریق ثانی کیطرف سے جو دلائل اور سندات وغیرہ پیش کیگئی ہیں۔ اُن پر آگے بحث کیجائے گی۔ اب صرف یہ دکھلانا مقصود ہے۔ کہ جن لوگوں نے مرزا صاحب کے اِس دعوٰے کو صحیح تسلیم کر کے ان کی تعلیم پر چلنا شروع کر دیا ہے۔ انہیں لوگ مرزا صاحب کیساتھ اور ان کے مسکن قادیان کیساتھ تعلق رکھنے کیوجہ سے بعض اوقات مرزائی کہتے ہیں۔ اور بعض اوقات قادیانی۔ اور قادیانی مرزائی کہنے سے ایک اور تعبیر بھی لیجاتی ہے۔ وہ یہ کہ مرزا صاحب کے متبعین کے دو فرقے ہیں۔ ایک لاہوری اور دوسرے قادیانی۔ لاہوری انہیں نبی نہیں مانتے۔ قادیانی انہیں نبی مانتے ہیں۔ اِس لئے قادیانی۔ مرزائی کہنے سے یہ مُراد ہیجاتی ہے۔ کہ وہ شخص جس کے متعلق یہ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ وہ مرزا صاحب کے ان متبعین میں سے ہے۔ جو انہیں نبی مانتے ہیں۔ مقدمہ ہذا میں مدعا علیہ پر اِسی مفہوم کے تحت یہ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔

اِس فرقہ کا ایک تیسرا نام احمدی ہے۔ جس کے متعلق فریق ثانی کیطرف سے کہا جاتا ہے کہ اِس جماعت کے امیر نے اپنی جماعت کے لئے تجویز کر کے گورنمنٹ سے اِس نام سے اپنی جماعت کو موسوم کئے جانیکی منظوری حاصل کی ہوئی ہے۔

مسلمانوں کے نزدیک قرآن مجید کے بعد سند اور اعتبار کے لحاظ سے احادیث کا درجہ ہے۔ جو حضرت رسول کریم صلعم کے اقوال کا مجموعہ ہیں اب مدعیہ کیطرف سے یہ کہا جاتا ہے۔

کہ مرزا صاحب کا دعوے غلط ہے۔ قرآن مجید اور احادیث کی رُو سے حضرت محمد مصطفےٰ صلعم خاتم النبیین ہیں۔ ان کے بعد اور کوئی نیا نبی نہیں ہو سکتا۔ مرزا صاحب کے اعتقادات شرعًا درست نہیں ہیں۔ بلکہ کفر کی حد تک پہنچتے ہیں۔ اس لئے ان کو نبی تسلیم کرنیوالا اور ان کی تعلیم پر چلنے والا بھی کافر اور دائرہ اسلام سے خارج اور مرتد ہو جاتا ہے۔ اور کسی سُنی عورت کا نکاح جو قبل از ارتداد اس کے ساتھ ہوا ہو شرعًا قائم نہیں رہتا۔ اور اس اصول کے تحت مدعیہ کا نکاح مدعا علیہ کے قادیانی۔ مرزائی ہو جانے کی صورت میں اس کیساتھ قائم نہیں رہا۔ لہذا ڈگری انفراق زوجیت دیجاوے۔

مدعا علیہ کیطرف سے کہا جاتا ہے۔ کہ قادیانی مذہب۔ مذہب اسلام سے کوئی مغائر مذہب نہیں ہے۔ بلکہ اس مذہب کے صحیح اصولوں کی صحیح تعبیر ہے۔ اس تعبیر کے مطابق عمل پیرا ہونیسے وہ خارج از اسلام نہیں ہوا۔ اس کا نکاح قائم ہے۔ اور دعوے مدعیہ قابل اخراج ہے۔

چنانچہ فریقین نے اپنے اپنے اس ادعا کے مطابق شہادت پیش کی ہے۔ جس پر آگے بحث کیجائیگی۔ مقدمہ ہذا میں ابتدائی تنقیحات جنکا اُوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ چاہے جس شکل یا جن الفاظ میں وضع شدہ ہیں۔ ان کا نفس معاملہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ان کا مفہوم بھی ہے۔ کہ کیا مدعا علیہ نے قادیانی یا مرزائی مذہب اختیار کر لیا ہے۔ اور کیا اس مذہب میں داخل ہونیسے ارتداد واقع ہو جاتا ہے۔ اور کیا اس صورت میں مدعیہ کا نکاح فسخ سمجھا جائے گا۔ اسلئے ان تنقیحات کی ترمیم کے متعلق مدعا علیہ کے عذرات کو زیر خیال نہیں کیا گیا۔ اس لئے ان تنقیحات کے الفاظ میں کسی ردوبدل کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ اور خصوصًا ان میں ترمیم کیضرورت اس لئے بھی نہیں رہی۔ کہ اگر مدعا علیہ کے ادعا کے مطابق بھی صُورت تنقیحات قائم کیجاوے تو مسل پر اسقدر مواد آ چکا ہے۔ کہ اس کی رُو سے اس صُورت میں بھی بحث کیجا سکتی ہے۔

اس سوال پر اب چنداں بحث کی ضرورت نہیں رہی۔ کہ آیا مدعا علیہ قادیانی مرزائی ہے۔ یا نہ کیونکہ اس نے اپنے اعتقادات کی جو فہرست پیش کی ہے۔ اُس میں اُس نے صاف طور پر

درج کیا ہے۔ کہ وہ حضرت مرزا صاحب کو اُمتی نبی تسلیم کرتا ہے۔ اور کہ اُن پر وحی اور الہام بابرکت حضرت نبی کریم صلعم وارد ہوتے تھے۔ اسلئے اس سے یہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ کہ وہ مرزا صاحب کے قادیانی متبعین میں سے ہے۔ اب بحث طلب صرف یہ امر ہے کہ آیا۔ یہ عقیدہ کفریہ ہے اور اس عقیدہ کے رکھنے والا دائرہ اسلام سے خارج اور مرتد قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں مدعیہ کیطرف سے چھ گواہان ذیل مولوی غلام محمد صاحب شیخ الجامعہ عباسیہ بہاولپور مولوی محمد حسین صاحب سکنہ گوجرانوالہ۔ مولوی محمد شفیع صاحب مُفتی دار العلوم دیوبند۔ مولوی مرتضیٰ حسن صاحب چاندپوری۔ سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری۔ مولوی نجم الدین صاحب پروفیسر اورنیٹل کالج لاہور پیش ہوئے ہیں۔ اور مدعا علیہ کیطرف سے دو گواہان مولوی جلال الدین صاحب شمس۔ اور مولوی غلام احمد صاحب مجاہد پیش ہوئے ہیں۔ یہ ہر دو گواہان قادیانی مبلغین میں سے ہیں۔ ان جملہ گواہان کی شہادتیں کئی معاملات شرعی پر مشتمل ہیں۔ اور بہت طویل ہیں۔ ان کا اگر معمولی اختصار بھی یہاں درج کیا جاوے تو اس سے نہ صرف فیصلہ کا حجم بڑھجائیگا بلکہ اصل معاملہ کے سمجھنے میں بھی الجھن پیدا ہو جائیگی۔ اس لئے ان شہادتوں سے جو اصول اور دلائل اخذ ہوتے ہیں۔ وہ یہاں درج کئے جاتے ہیں۔ اور زیادہ تر دربار معلیٰ کی ہدایت کے مطابق ان شہادتوں کی رُو سے یہ دیکھنا ہے کہ اسلام کے وہ کون سے بنیادی اصول ہیں کہ جن سے اختلاف کرنے سے ارتداد واقع ہو جاتا ہے۔ یا یہ کہ کن اسلامی عقائد کی پیروی نہ کرنے یا نہ ماننے سے ایک شخص مرتد سمجھا جا سکتا ہے۔ اور کہ کیا عقائد قادیانی سے ارتداد واقع ہو جاتا ہے۔ یا نہ

مدعیہ کیطرف سے مذہب اسلام کے جو اہم اور بنیادی اصول بیان کئے گئے ہیں۔ وہ سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ کے بیان میں مفصل درج ہیں۔ یہاں انکا مختصر اعادہ کیا جاتا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ایمان کے معنے یہ ہیں۔ کہ کسی کے قول کو اس کے اعتماد پر باور کر لیا جاوے اور کہ غیب کی خبروں کو انبیاء کے اعتماد پر باور کر لینے کو ایمان کہتے ہیں۔ اور حق ناشناسی۔ یا

منکر ہو جانے یا مکر جانے کو کفر کہتے ہیں۔ ہمارے دین کا ثبوت دو طرح سے ہے یا تواتر سے یا خبر واحد سے تواتر اسے کہتے ہیں۔ کہ کوئی چیز نبی کریم سے ایسی ثابت ہوئی ہو۔ اور ہم تک علی الاتصال پہنچی ہو۔ کہ اس میں خطا کا احتمال نہ ہو۔ یہ تواتر چار قسم کا ہے۔ تواتر اسنادی۔ تواتر طبقہ۔ تواتر قدر مشترک اور تواتر توارث۔

تواتر اسنادی اُسے کہا جاتا ہے۔ کہ جو صحابہ سے بسند صحیح مذکور ہو۔

تواتر طبقہ اُسے کہتے ہیں۔ کہ جب یہ معلوم نہ ہو۔ کہ کس نے کس سے لیا۔ بلکہ یہی معلوم ہو کہ پچھلی نسل نے اگلی سے سیکھا۔ جیسا کہ قرآن مجید کا تواتر

تواتر قدر مشترک یہ ہے کہ حدیثیں کئی ایک خبر واحد آئی ہوں۔ اس میں قدر مشترک متفق علیہ حصہ وہ حاصل ہوا۔ جو تواتر کو پہنچ گیا۔ مثلاً نبی کریم صلعم کے معجزات۔ جو کچھ متواتر ہیں۔ اور کچھ خبر احاد ہیں ان اخبار احاد میں اگر کوئی مضمون مشترک ملتا ہے۔ تو وہ قطعی ہو جاتا ہے۔ اس کی مزید تشریح مولوی مرتضی حسن صاحب گواہ مدیتھ نے یہ کی ہے۔ کہ بعض ایسی احادیث جو باعتبار لفظ اور سند کے متواتر نہیں ہیں۔ وہ باعتبار معنے کے متواتر ہو جاتی ہیں۔ اگر ان معنوں کو اتنی سندوں سے اور اتنے راویوں نے بیان کیا ہو۔ کہ جنکا جھوٹ پر جمع ہونا محال ہو۔

تواتر توارث اُسے کہتے ہیں۔ کہ نسل نے نسل سے لیا ہو۔ اور یہ تواتر اسطرح سے ہے۔ کہ بیٹے نے باپ سے لیا۔ اور باپ نے اپنے باپ سے۔ ان جملہ اقسام کے تواتر کا انکار کفر ہے۔ اگر متواترات کے انکار کو کفر نہ کہا جاوے۔ تو اسلام کی کوئی حقیقت نہیں رہتی۔ ان متواترات میں تاویل کرنا مطلب بگاڑنا۔ کفر صریح ہے۔ اور متواترات کو تاویل سے پلٹنا بھی کفر ہے۔ کفر کبھی قولی ہوتا ہے اور کبھی فعلی۔ مثلاً کوئی شخص ساری عمر نماز پڑھتا رہے۔ اور ۳۰ سال کے بعد ایک بت کے آگے سجدہ کر دے۔ تو یہ کفر فعلی ہے۔ کفر قولی یہ ہے۔ کہ کوئی شخص یہ کہدے۔ کہ خدا کیساتھ صفتوں میں یا فعل میں کوئی شریک ہے۔ اسیطرح یہ کہنا بھی کفر قولی ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم (حضرت محمد مصطفی) صلعم کے بعد کوئی اور نیا پیغمبر آئیگا۔ کیونکہ تواتر توارث کی ذیل میں ساری اُمت اس علم میں شریک

رہی ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم کے بعد اور کوئی نبی نہیں آئیگا۔

اسیطرح کوئی شخص اگر اپنے مساوی سے کہہ دے۔ کہ کلمہ بکا۔ تو وہ کوئی چیز نہیں۔ اُستاد اور باپ سے کہے۔ تو اسے عاق کہتے ہیں۔ پیغمبر کیساتھ یہ معاملہ کرے۔ تو کفر صریح ہے۔

نبوت کے ختم ہونے کے بارہ میں ہمارے پاس کوئی دو سو حدیثیں ہیں۔ قرآن مجید ہے اور اجماع بالفصل ہے۔ اور ہر نسل اگلی نے پچھلی سے اس کو لیا ہے۔ اور کوئی مسلمان جو اسلام سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ اس عقیدہ سے غافل نہیں رہا۔ اس عقیدہ کی تحریف کرنا اور اس سے انحراف کرنا صریح کفر ہے۔ اسلام ہے شناخت مسلمانوں کی۔ اور مسلمانوں کے اشخاص شناخت ہیں۔ اسلام کی۔ اگر اجماع کو درمیان میں سے اُٹھا دیا جاوے۔ تو دین ڈہ گیا۔

جو دین محمدی کا اقرار نہ کرے۔ اُسے کافر کہتے ہیں۔ جسے اندر سے اعتقاد نہ ہو زبان سے کہتا ہو۔ اُسے منافق کہتے ہیں۔ جو زبان سے اقرار کرتا ہو۔ لیکن دین کی حقیقت بدلتا ہو اُسے زندیق کہتے ہیں۔ اور وہ پہلی دو قسموں سے زیادہ شدید کافر ہے۔

ارتداد کے معنی یہ ہیں۔ کہ دین اسلام سے ایک مسلمان کلمہ کُفر کہکر اور ضروریات و متواترات دین میں سے کسی چیز کا انکار کرکے خارج ہو جائیگا۔ اور ایمان یہ ہے۔ کہ سرور عالم حضرت محمد مصطفےٰ صلعم جس چیز کو اللہ تعالےٰ کی جانب سے لائے ہیں۔ اور اُس کا ثبوت بدیہات اسلام سے ہے۔ اور ہر مسلمان خاص و عام اُسے جانتے ہیں۔ اس کو تصدیق کرنا۔

ضروریاتِ دین وہ چیز ہیں۔ کہ جن کو خواص و عوام پہچانیں۔ کہ یہ دین سے ہیں۔ جیسے اعتقاد توحید کا۔ رسالت کا۔ اور پانچ نمازوں کا اور مثل اُن کے اور چیزیں۔

شریعت کے اگر کسی لفظ کو بحال رکھا جاکر اس کی حقیقت کو بدل دیا جاوے۔ اور وہ معاملہ متواترات سے ہو تو وہ کُفر صریح ہے۔ کُفر و ایمان کی اس شرعی حقیقت کے بیان کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ کہ ایک مسلمان بعض قسم کے افعال یا اقوال کیوجہ سے کافر اور خارج

از اسلام ہو جاتا ہے۔

ختم نبوۃ کا عقیدہ بایں معنے کہ آنحضرت صلعم کی نبوۃ کے بعد کسی کو عہدہ نبوت نہ دیا جائے گا۔ بغیر کسی تاویل اور تخصیص کے ان اجماعی عقائد میں سے ہے۔ جو اسلام کے اصولی عقائد میں سے سمجھا گیا ہے۔ اور آنحضرت صلعم کے عہد سے لیکر آج تک نسلاً بعد نسل ہر مسلمان اس پر ایمان رکھتا ہے۔

اور یہ مسئلہ قرآن مجید کی بہت سی آیات سے اور احادیث متواترۃ المعنیٰ سے اور قطعی اجماع امت سے روز روشن کیطرح ثابت ہے۔ اور اس کا منکر قطعاً کافر مانا گیا ہے۔ اور کوئی تاویل و تخصیص اس میں قبول نہیں کیگئی۔ اس میں اگر کوئی تاویل یا تخصیص نکالیجاوے۔ تو وہ شخص ضروریات دین میں تاویل کرنیکی وجہ سے منکر ضروریات دین سمجھا جائیگا۔

یہ اصول ہیں۔ جن کے تحت میں اور بھی ایسے بہت سے فروع موجود ہیں۔ جو مستقل موجبات کفر ہو سکتے ہیں۔

فریق ثانی کیطرف سے یہ کہا جاتا ہے۔ کہ ایمان یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ پر۔ اس کے فرشتوں پر۔ اس کی کتابوں پر۔ اس کے رسولوں پر اور بعث بعد الموت پر اور تقدیر پر یقین رکھا جاوے۔ اور اسلام گواہی دینا ہے اس بات کی کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں اور محمد صلعم اس کے رسول ہیں۔ اور نماز کا ادا کرنا اور زکوٰۃ کا دینا اور رمضان کے روزے رکھنا اور بیت اللہ شریف کا حج ادا کرنا اگر استطاعت ہو۔ اور جو شخص زبان سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہے اور دل سے اس کے مطالب کی تصدیق کرے۔ تو ایسا شخص یقینی طور پر مومن ہے۔ اگرچہ وہ فرائض اور محرمات سے بے خبر ہو اور اسلام کے معنیٰ یہ ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ نے جو فرائض اور محرمات بیان کئے ہیں۔ کہ بعض اشیاء حلال اور بعض حرام ہیں۔ ان پر بلا کسی اعتراض کے اپنی رضامندی کا اظہار کیا جاوے۔ اور جو شخص ان اعمال صالحہ کا پابند ہو۔ کہ جو قرآن مجید میں ایک مومن کا طغرائے امتیاز قرار دئے گئے ہیں۔ تو وہ شخص مومن اور مسلمان ہے۔

یہ باتیں ایسی ہیں۔ کہ جو ارکان اسلام سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور جن کے جزو ایمان ہونے میں فریق مدعیہ کو بھی کوئی کلام نہیں۔ دیکھنا یہ ہے۔ کہ آیا ان باتوں پر فریق ثانی کا عقیدہ ان اصولوں کے تحت جو فریق مدعیہ کیطرف سے بیان کئے گئے ہیں۔ ویسا ہی ہے۔ جیسا کہ دیگر عام مسلمانوں کا۔ یا کہ اس سے مختلف۔ کیونکہ مدعیہ کیطرف سے یہ کہا جاتا ہے۔ کہ جو شخص عقائد اسلام ظاہر کرے اور قرآن وحدیث کے اتباع کا دعوٰے بھی کرے۔ لیکن اُنکی ایسی تاویل اور تحریف کرے۔ کہ جس سے ان کے حقائق بدل جائیں۔ تو وہ مسلمان نہیں سمجھا جا سکتا۔

مدعیہ کیطرف سے دین اسلام کے نبوت کے متعلق جو بنیادی اصول اور قواعد بیان کئے گئے ہیں۔ ان کا مدعا علیہا کیطرف سے کوئی اطمینان بخش جواب نہیں دیا گیا۔ حالانکہ تواتر اور اجماع کے اصولوں کو خود اُن کے پیشوا۔ مرزا غلام احمد صاحب نے بھی تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب ایام الصلح میں لکھتے ہیں۔ کہ وہ امور جو اہلسنت کی اجماعی رائے سے اسلام کہلاتے ہیں۔ ان سب کا ماننا فرض ہے۔ ایک دوسری کتاب انجام اتھم میں لکھتے ہیں۔ کہ جو شخص اس شریعت پر مقدار ایک ذرہ کے زیادتی کرے۔ یا اس میں سے کمی کرے یا کسی عقیدہ اجماعیہ کا انکار کرے۔ اس پر اللہ کی لعنت اور ملائکہ کی لعنت اور تمام آدمیوں کی لعنت۔ یہ میرا اعتقاد ہے۔ اور کتاب ازالۃ الاوہام صفحہ ۲۳۰ پر لکھتے ہیں کہ تواتر کی جو بات ہے۔ وہ غلط نہیں ٹھہرائی جا سکتی۔ اور تواتر اگر غیر قوموں کا بھی ہو۔ تو وہ بھی قبول کیا جائے گا۔ مدعیہ کے گواہان کے بیان کردہ اصول اور قواعد کے مقابلہ میں مدعا علیہ کے گواہان نے جو کچھ بیان کیا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ علماء اور ائمہ کی اندھی تقلید نہایت مذموم ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ پہلے علماء جو کچھ تفسیروں میں لکھ گئے ہیں۔ ہم آنکھ بند کر کے ان پر ایمان لے آویں بلکہ ہمارا فرض ہے۔ کہ ہم ان کے فتاوی اور اقوال کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلعم اور عقل سلیم کی کسوٹی پر پرکھیں اور جو قرآن اور سنت سے صحیح ثابت ہو اُسے اختیار کریں اور مخالف کو چھوڑیں

کہ جو شخص کسی حدیث کو یا قول کو قرآن مجید کے واقعی طور پر خلاف ثابت کر دے۔ تو اس کا قول معتبر ہوگا۔ اور کہ اگر کوئی شخص کسی فن کا امام ہو یا نہ ہو۔ اگر کوئی بات کسی دلیل کیساتھ ثابت کر دے۔ تو وہ مان لیجائے گی۔ صحابہ بھی تفسیر میں غلطی کرتے تھے۔ یہ بیان مولوی جلال الدین صاحب شمس گواہ مدعاعلیہ کا ہے۔ اس کا دوسرا گواہ بیان کرتاہے کہ کوئی شخص جو کلام کرتا ہے اس کلام کے منے وہی بہتر سمجھتا ہے۔ اور اس کلام کے منے جو وہ بیان کرے گا یا تاویل کرے گا۔ وہی مقدم ہوگی۔ اور کہ گواہ مذکور کے نزدیک قرآن مجید کے سوا اور کوئی چیز مسلم نہیں۔ سوائے اس کے کہ جو قرآن مجید سے تطابق رکھتی ہو۔ اور جو قرآن شریف کو پڑھتا ہے وہ خود تطابق کر سکتا ہے۔ اور میرے لئے قرآن شریف کی مطابقت دیکھنے کے لئے میرے واجب الاطاعت اماموں کی بیان فرمودہ مطابقت یا میری اپنی مطابقت مسلم ہے۔ اور کہ ہر وہ بات جسکی تائید قرآن شریف سے نہیں ہوتی۔ اور قرآن شریف کی تصدیق یافتہ احادیث نبویہ سے بھی جس کلام کی تصدیق نہیں ہوتی۔ یا اماموں کے ایسے اقوال کہ جن اقوال کی تصدیق قرآن اور مندرجہ بالا احادیث سے ہو چکی ہو۔ اور ان اماموں کے کوئی اور قول جن کی تصدیق قرآن اور حدیث سے نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ اور مصنفین کی کتابیں جن کی تصدیق قرآن اور حدیث سے نہیں ہوتی۔ وہ مجھ پر حجت نہیں ہیں۔

اور کہ قرآن کی تفسیر کے لئے کسی خاص شخص کی تعین نہیں۔ کہ وہ جو منے کریگا۔ خواہ وہ کیسے ہی ہوں۔ اس کو مانا جاوے۔ اور اس کے خلاف منے کو رد کیا جاوے۔ اگر صحابہ سے کوئی صحیح تفسیر ثابت ہو جائے۔ جس کے خلاف قرآن کی کوئی تصریح نہ ہو۔ اور صحیح مرفوع متصل حدیثوں کی بھی تصریح نہ ہو۔ زبان عرب کی بھی کوئی تصریح ان معنوں کے خلاف نہ ہو۔ وہ بہر حال مقدم ہوگی۔ اور اس کے خلاف منے کرنے والے کو محض اس لئے کہ وہ ان معنوں کے خلاف کر رہا ہے۔ خاطی نہیں کہا جا سکتا۔ جبتک کہ قرآنی تصریح کے خلاف منے نہ کئے جاویں۔ صحابہ کرام کیطرف منسوب شدہ بات کہ انہوں نے کی ہے یا کہی ہے یا تحقیق کی ہے۔

اگر قرآن شریف کے مطابق ہے۔ تو قابل قبول ہے۔ اگر صحابہ کرام کیطرف منسوب شدہ بات
کو ثابت شدہ اس لحاظ سے کہا جاتا ہے۔ کہ ان تک روایت پہنچتی ہے۔ تو اس کی کوئی
حقیقت نہیں۔ اگر کسی غیر صحابی کی تحقیق بشرطیکہ قرآن شریف کی صحیح نصوص کے مطابق
ہو۔ عربی زبان کی سند ساتھ رکھتی ہو۔ دیگر احادیث میں بھی تائید رکھتی ہو۔ تو صحابی کی تحقیق
سے مقدم ہے۔ ان شرائط کے بغیر اگر کوئی غیر صحابی کوئی تحقیق پیش کرتا ہے۔ اگر وہ پیش کرے تو، لا
خدا کیطرف سے ملہم اور مامور نہیں ہے۔ کہ جسکی وحی والہام کی تصدیق قرآن پاک کی تصریحات
سے ہو چکی ہو۔ بلکہ عام شخص ہے۔ تو اس کی ذاتی رائے اوپر کی شرائط سے علیحدہ کرکے صحابی
کی بیان کردہ تصریح سے سننے والے اور ماننے والے کے اختیار پر ہوگی۔ کہ اسے راجح سمجھے
یا نہ سمجھے۔ کسی حدیث کو قرآن کی مطابقت میں صحیح قرار دینے والا خود مختار ہے کہ وہ اپنے
استدلال کی رو سے اسے مطابق قرار دے۔ یا تصریح کے لحاظ سے مطابق قرار دے۔

اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ہر دو فریق کے بیان کردہ اصولوں میں سے
معقولیت کس میں ہے۔ ایک تو اپنے دین کی بنیاد چند منظم اصولوں پر کہ جن کو قدامت
کی قوت حاصل ہے۔ قائم کرکے اسے بطور ایک ضابطہ اور قانون کے پیش کرتا ہے۔ دوسرا
اسے ایک کھلونا بنا کر ہر کس و ناکس کے ہاتھ میں دے دیتا ہے۔ اور بجائے اس کے کہ دین
کو ایک مستقل لائحہ عمل سمجھا جاوے۔ اسے ہر لحظہ وہر آن تغیر تبدل کا متحمل قرار دیتے ہوئے ایک
بازیچۂ اطفال بنا دیتا ہے۔ کیونکہ اس کے نزدیک ہر شخص اس بات کا اہل اور مجاز ہو سکتا ہے۔
کہ وہ جب چاہے بلا روک ٹوک اپنے اجتہاد کی بناء پر ایک نیا رستہ نکالکر اس پر چلنا شروع
کر دے۔ اور نہ کسی صحابی۔ نہ کسی امام۔ نہ کسی بزرگ۔ نہ کسی دوسرے ماہر فن کی کوئی پرواہ
کرے۔ بلکہ شارع کے جس قول کو وہ درست سمجھے۔ اور اس کا معنےٰ جو وہ قرار دے۔ اسکے
مطابق عمل کرے۔ اور اگر اسے کوئی گرفت کرے تو فوراً اپنے قول کی کوئی تاویل گھڑ کر
پیش کر دے۔ اور چونکہ وہ تاویل مقدم سمجھی جائے گی۔ اس لئے کوئی بھی اس کا کچھ نہ بگاڑ

سکیگا - اور بچارہ گرفت کرنے والا منہ کی کھا کر چپ ہو جائیگا - اس اصول کے تحت نہ صرف
کسی دین کی بلکہ کسی قانون کی کوئی حقیقت نہیں رہتی - کیونکہ اس قسم کی وسعت ہر اُس
ضابطہ میں کہ جس کا اجراء بطور قانون مقصود ہو - متصور ہو سکتی ہے - اور اس صورت میں اُس پر
کبھی بھی عملدرآمد نہیں ہو سکتا - اور وہ محض لفظ ہی لفظ رہجاتا ہے -

اگر ان اصولوں کو جو فریق ثانی کیطرف سے بیان کئے گئے ہیں - بر روئے کار لایا جاوے
تو دین نہ صرف دین کہلائے جانیکا ہی مستحق نہیں رہتا - بلکہ ایک مضحکہ انگیز چیز بنجاتا ہے - اور
بجائے اس کے کہ اس میں کوئی یکسانیت پیدا کیجا سکے - ہر شخص انفرادی حیثیت سے اپنی
منشاء کے مطابق اپنے لئے ایک علیحدہ دین بنا سکیگا -

مذکورہ بالا تصریحات سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے - کہ مرزا صاحب کے دعوے سے قبل دین اسلام
جن باتوں پر قائم تھا - اب کوئی ان کی اصلیت اور بنا نہیں رہی - اور اب بناء صرف مرزا صاحب اور
ان کے خلفاء کے اقوال و عقائد پر ہی ہے - کیونکہ فریق ثانی کے نزدیک اب ان اصحاب کے سوا
نہ کسی پہلے صحابی کی - نہ امام کی - نہ بزرگ کی کوئی بات مقدم اور صحیح ہے - بلکہ جو کچھ مرزا صاحب
اور اُن کے خلفاء نے کہا ہے اور لکھا ہے - وہی درست ہے - اور ان کی کتابوں کے سوا اور
کوئی کتاب حجت نہیں ہے - اس سے صاف طور پر یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے - کہ مرزا صاحب کا دین اس
دین اسلام سے مختلف ہے - جو مرزا صاحب کے دعوے سے قبل مسلمان سمجھتے آئے ہیں - لہذا
مدعیہ کیطرف سے بجا طور پر یہ کہا گیا ہے - کہ مذہب کے لحاظ سے ہر دو فریق میں قانون کا
اختلاف ہے - اور مدعا علیہ کیطرف سے بھی یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ ان کے درمیان اصولی اختلاف
بھی ہے اور فروعی بھی - اور سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ بیان کرتے ہیں - کہ احمدی مذہب
والے نے مہمات دین کے بہت سے اصولوں کو تبدیل کر دیا ہے - اور بہت سے اسماء کا معنی
بدل دیا ہے - آگے ظاہر ہو جائیگا - کہ اس میں کہاں تک صداقت ہے -

اب وہ عقائد بیان کئے جاتے ہیں کہ جنکی بناء فریق ثانی کی نسبت یہ کہا جاتا ہے - کہ

وہ مرتد اور کافر ہے۔ اس ضمن میں اہم وجہ یہ بیان کیجاتی ہے۔ کہ وہ مرزا غلام احمد صاحب کو نبی مانتا ہے۔ اس لئے یہ دکھانا پڑے گا۔ کہ مرزا صاحب کے اعتقادات کیسے ہیں۔ اور کیا وہ نبی ہو سکتے ہیں یا نہ۔ اور کہ انکو نبی ماننے سے کیا قباحت لازم آتی ہے۔ اور کیا ان کے اقوال ایسے ہیں کہ ان کی بنا پر انہیں مسلمان قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس لئے ان کے اتباع سے مدعا علیہ کو بھی مسلمان نہیں سمجھا جا سکتا۔

سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ نے ان اصولوں کے تحت جو ان کے بیان کے حوالہ سے اوپر بیان کئے جا چکے ہیں۔ چند وجوہات ایسی بیان کی ہیں۔ کہ جن کی بناء پر اُن کے نزدیک مرزا صاحب باجماع اُمت کافر اور مرتد قرار دیئے جا سکتے ہیں۔ اور جن کی وجہ سے ان کی رائے میں ہندوستان کے تمام اسلامی فرقے باوجود سخت اختلاف خیال اور اختلاف مشرب کے ان کے کفر و ارتداد اور ان کے متبعین کے کفر و ارتداد پر متفق ہیں۔ یہ وجوہات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ ختم نبوت کا انکار اور اُس کے اجماعی معنے کی تحریف اور جس مذہب میں سلسلہ نبوت منقطع ہو۔ اس کو لعنتی اور شیطانی مذہب قرار دینا۔

۲۔ دعوئے نبوۃ مطلقہ و تشریعیہ

۳۔ دعوئے وحی اور اپنی وحی کو قرآن کے برابر قرار دینا۔

۴۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی توہین۔

۵۔ آنحضرت صلعم کی توہین

۶۔ ساری اُمت کو بجز اپنے متبعین کے کافر کہنا۔

تقریباً یہی وجوہات دیگر گواہان مدعیہ نے بھی بیان کی ہیں۔ اب ذیل میں حسب بیانات گواہان مذکورہ ان وجوہات کی تشریح درج کیجاتی ہے۔

امور ۱ تا ۳ ایک ہی نوعیت کے ہیں۔ لہذا ان پر جو بحث کیگئی ہے وہ یکجا درج کیجاتی ہے اس ضمن میں مرزا صاحب کے حسب ذیل اقوال پر جو ان کی مطبوعہ کتب میں موجود ہیں

اعتراض کیا گیا ہے۔

۱۔ اوائل میں میرا بھی یہی عقیدہ تھا۔ کہ مجھکو مسیح ابن مریم سے کیا نسبت۔ وہ نبی ہے اور خدا کے بزرگ مقربین میں سے ہے۔ اور اگر کوئی امر میری فضیلت کی نسبت ظاہر ہوتا۔ تو اس کو جزوی فضیلت قرار دیتا تھا۔ مگر بعد میں جو خدا تعالےٰ کی وحی بارش کیطرح میرے پر نازل ہوئی۔ اس نے مجھے اس عقیدہ پر قائم نہ رہنے دیا۔ اور صریح طور پر نبی کا خطاب مجھے دیا گیا۔ حقیقت الوحی صفحہ $\frac{149}{150}$

۲۔ الہامات میں میری نسبت بار بار بیان کیا گیا کہ یہ خدا کا فرستادہ۔ خدا کا مامور۔ خدا کا امین اور خدا کیطرف سے آیا ہے۔ جو کچھ کہتا ہے۔ اس پر ایمان لاؤ۔ اور اس کا دشمن جہنمی ہے۔ (انجام آتھم صفحہ ۶۲)

۳۔ مجھے اپنے وحی پر ویسا ہی ایمان ہے۔ جیسا کہ توراۃ۔ انجیل اور قرآن پاک پر۔ اور کیا انہیں مجھ سے یہ توقع ہو سکتی ہے۔ کہ میں ان کی ظنیات بلکہ موضوعات کے ذخیرہ کو سنکر اپنے یقین کو چھوڑ دوں گا۔

۴۔ میں اس پاک وحی پر ایسا ہی ایمان لاتا ہوں۔ جیسا کہ ان تمام خدا کی وحیوں پر ایمان لاتا ہوں۔ جو مجھ سے پہلے ہو چکی ہیں (حقیقت الوحی صفحہ ۱۵۰)

۵۔ ہاں یہ نبوۃ تشریعی نہیں جو کتاب اللہ کو منسوخ کرے۔ اور نئی کتاب لائے۔ ایسے دعوے کو تو ہم کفر سمجھتے ہیں۔ ضمیمہ حقیقت النبوۃ صفحہ ۲۷۲

۶۔ اگر کہو کہ صاحبِ شریعت افترا کر کے ہلاک ہوتا ہے۔ نہ کہ ہر مفتری۔ تو اول تو یہ دعوے بلا دلیل ہے۔ خدا نے افترا کیساتھ شریعت کی قید نہیں لگائی۔ ماسوا اس کے یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے۔ جس نے اپنی وحی کے ذریعہ سے چند امر و نہی بیان کئے۔ اور اپنی امت کے لئے ایک قانون مقرر کیا۔ وہی صاحبِ شریعت ہو گیا۔ پس اس تعریف کی رُو سے بھی ہمارے مخالف ملزم ہیں۔ کیونکہ میری وحی میں امر بھی ہے۔ اور نہی بھی۔

اور ایسا ہی اب تک میری وحی میں امر بھی ہوتے ہیں۔ اور نہی بھی۔ اور اگر کہو کہ شریعت سے وہ شریعت مراد ہے۔ جس میں نئے احکام ہوں۔ تو یہ باطل ہے۔ اللہ تعالٰے فرماتا ہے۔ اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی ۙ صُحُفِ اِبْرٰهِیْمَ وَ مُوْسٰی۔ یعنے قرآنی تعلیم توراۃ میں بھی موجود ہے۔ اور اگر یہ کہو کہ شریعت وہ ہے۔ جس میں باستیفاء امر و نہی کا ذکر ہو۔ تو یہ بھی باطل ہے۔ کیونکہ اگر توراۃ اور قرآن شریف میں باستیفاء احکام شریعت کا ذکر ہوتا۔ تو پھر اجتہاد کی گنجائش نہ رہتی۔ غرض یہ سب خیالات فضول اور کوتاہ اندیشیاں ہیں۔ (اربعین ۴ صفحہ ۶۔)

اس کتاب کے حاشیہ صفحہ ۶ پر لکھتے ہیں۔ کیونکہ میری تعلیم میں امر بھی ہے۔ اور نہی بھی۔ اور شریعت کے ضروری احکام کی تجدید ہے۔ اس لئے خدا تعالٰے نے میری تعلیم کو اور اس وحی کو جو میرے پر ہوتی ہے۔ فُلک یعنے کشتی کے نام سے موسوم کیا ہے۔ جیسا کہ ایک الہام کی یہ عبارت ہے۔

(اس کا ترجمہ یہ ہے۔ کہ اس کشتی کو ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری وحی سے بنا جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں۔ وہ خُدا سے بیعت کرتے ہیں۔ یہ خُدا کا ہاتھ ہے۔ جو اُنکے ہاتھوں پر ہے)

اب دیکھو خُدا نے میری وحی۔ میری تعلیم اور میری بیعت کو نُوح کی کشتی قرار دیا ہے۔ اور تمام انسانوں کے لئے اس کو مدارِ نجات ٹھیرایا ہے۔ جس کی آنکھیں ہوں دیکھے۔ جس کے کان ہوں سُنے۔

۸۔ نبی کے حقیقی معنوں پر غور نہیں کیگئی۔ نبی کے معنے صرف یہ ہیں۔ کہ خُدا سے بذریعہ وحی خبر پانے والا ہو۔ اور شرف مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ سے مشرف ہو۔ شریعت کا لانا اُس کے لئے ضروری نہیں۔ اور نہ یہ ضروری ہے۔ کہ صاحب شریعت رسول کا متبع ہو۔ بلکہ فساد اس حالت میں لازم آتا ہے۔ کہ اس امت کو آنحضرت کے بعد قیامت تک مکالمات الٰہیہ سے بے نصیب قرار

دیا جاوے۔ وہ دین دین نہیں۔ نہ وہ نبی نبی ہے۔ جس کی متابعت سے انسان خدا تعالےٰ سے اسقدر نزدیک نہیں ہو سکتا۔ کہ مکالمات الہیّہ سے مشرف ہو سکے۔ وہ دین لعنتی اور قابل نفرت ہے جو یہ سکھلاتا ہے۔ کہ صرف چند منقولی باتوں پر انسانی ترقیات کا انحصار ہے اور وحی الہٰی آگے نہیں۔ بلکہ پیچھے رہ گئی۔ .... اگر کوئی آواز بھی غیب سے کسی کے کان تک پہنچتی ہے۔ تو وہ ایسی مشتبہ آواز ہے کہ نہیں کہہ سکتے۔ کہ وہ خدائی آواز ہے۔ یا شیطان کی۔ سو ایسا دین بہ نسبت اس کے کہ اس کو رحمانی کہیں۔ شیطانی کہلانے کا زیادہ مستحق ہے۔ (ضمیمہ براہین احمدیہ صفحہ ۱۳۹)

۹۔ سچا خدا وہی خدا ہے۔ جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔ (دافع البلاء صفحہ ۱۱)

۱۰۔ اور مجھے بتلایا گیا تھا۔ کہ تیری خبر قرآن و حدیث میں موجود ہے۔ اور تو ہی اس آیت کا مصداق ہے۔ هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی .... الخ اعجاز احمدی صفحہ ۷۔

۱۱۔ میں صرف پنجاب کے لئے ہی مبعوث نہیں ہوا ہوں۔ بلکہ جہاں تک دنیا کی آبادی ہے ان سب کی اصلاح کیواسطے مامور ہوں۔ (حاشیہ حقیقت الوحی صفحہ ۱۹۲)

۱۲۔ یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اپنے دعوے کے انکار کرنیوالے کو کافر کہنا یہ صرف ان نبیوں کی شان ہے جو خدا تعالےٰ کیطرف سے شریعت اور احکام جدیدہ لاتے ہیں۔ لیکن صاحب شریعت کے سوا جسقدر ملہم۔ محدث ہیں۔ گو وہ کیسے ہی جناب الٰہی میں شان اعلےٰ رکھتے ہوں۔ اور خلعت مکالمہ الہیّہ سے سرفراز ہوں۔ ان کے انکار سے کوئی کافر نہیں بنجاتا۔ حاشیہ (تریاق القلوب صفحہ ۳۲۵ و ۳۲۶)

۱۳۔ حقیقت الوحی صفحہ ۱۰۳ پر عبارت ذیل جاءنی آئیل .... واشارہ کے تحت ایک نوٹ ہے۔ جس میں لکھا ہے کہ اس جگہ آئیل خدا تعالےٰ نے جبرئیل کا نام رکھا ہے اس لئے بار بار رجوع کرتا ہے۔

۱۴۔ غرض اس حصہ کثیر وحی الٰہی اور امور غیبیہ میں اس اُمت میں سے میں ہی ایک فرد مخصوص ہوں۔ اور جس قدر مجھ سے پہلے اولیاء ابدال اور اقطاب اس اُمت میں سے گذر چکے ہیں ان کو یہ حصۂ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا۔ پس اس وجہ سے نبی کا نام پانے کے لئے میں ہی مخصوص کیا گیا۔ اور دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں ہیں۔ کیونکہ کثرت وحی اور کثرت امور غیبیہ اس میں شرط ہے۔ اور وہ شرط انمیں پائی نہیں جاتی۔

۱۵۔ حسب تصریح قرآن کریم رسول اس کو کہتے ہیں۔ کہ جس نے احکام و عقائد دین جبرئیل کے ذریعہ سے حاصل کئے ہوں۔ (ازالۃ الاوہام صفحہ ۶۲۱)

۱۶۔ حقیقت الوحی میں ایک وحی بالفاظ ذیل درج ہے۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ الخ اس کے متعلق لکھتے ہیں۔ کہ اس وحی میں میرا نام مُحَمَّدٌ رکھا گیا اور رسول بھی۔

۱۷۔ حقیقت الوحی صفحہ ۳۰ پر لکھتے ہیں۔ مگر ظلی نبوۃ جس کے معنے ہیں کہ محض فیض محمدی سے وحی پانا۔ وہ قیامت تک باقی رہیگی

۱۸۔ کتاب حق الیقین صفحہ ۱۰۲ پر مرزا صاحب کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ علماء کو نبوۃ کا مفہوم سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔ قرآن کریم میں جو خاتم النبیین کا لفظ آیا ہے۔ جس پر الف۔ لام پڑے ہیں۔ اس سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ شریعت لانیوالی نبوۃ اب بند ہو چکی ہے۔ پس اگر کوئی نئی شریعت کا مدعی ہوگا۔ وہ کافر ہے۔

ان حوالجات سے جو نتائج اخذ کئے گئے ہیں۔ وہ بالفاظ مولوی مرتضیٰ حسن صاحب گواہ مدعیہ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں۔ کہ جناب مرزا صاحب اور مرزا محمود صاحب اور ان کے تمام متبعین کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم کے بعد نبوۃ تشریعی کا دروازہ بند ہے آپ کے بعد جو نبوت تشریعی کا دعوے کرے۔ وہ کافر اور اسلام سے خارج ہے۔ قول مرزا صاحب نے اپنی تشریعی نبوت کا کھلے الفاظ میں دعوے کیا ہے۔ اور اسمیں چند باتوں کی تشریح مرزا صاحب نے خود فرمائی۔ ایک یہ کہ شریعت کیا چیز ہے جس کی وحی میں امر یا نہی

ہو۔ جس نے اپنی اُمّت کے لئے کوئی قانون مقرر کیا ہو۔ وہی صاحب شریعت ہوگیا۔ یہ تعریف کر کے مرزا صاحب اپنا صاحب شریعت ہونا ثابت کرتے ہیں۔ اس لئے مرزا صاحب اپنے اقرار سے خود کافر ہوگئے۔ مرزا صاحب نے یہ بھی صاف فرما دیا ہے۔ کہ وحی میں جو حکم یا نہی ہو۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ حکم نیا ہو۔ بلکہ اگر پہلی شریعت کا ہی حکم اُس کے پاس بذریعہ وحی کے آئے۔ تو بھی یہ صاحب شریعت ہونے کے لئے کافی ہے۔ مرزا صاحب نے اپنی بہت سی وحی وہ بیان کی ہے۔ جو کہ آیات قرآنی ہیں۔ اس لئے وہ بھی مرزا صاحب کی شریعت ہو گئی۔ مرزا صاحب نے اس شبہ کا بھی جواب دے دیا۔ کہ صاحب شریعت کے لئے یہ ضروری نہیں۔ کہ اس کی شریعت میں نئے احکام ہوں۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ قرآن مجید میں یہ فرماتا ہے۔ کہ یہ قرآن پہلی کتابوں میں بھی ہے۔ ابراہیم اور موسےٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں بھی۔ اب اگر شریعت جدیدہ کے لئے یہ ضروری ہو۔ کہ اُس نبی کی شریعت اور وحی اور کتاب میں سب نئے احکام ہوں۔ تو لازم آتا ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم بھی صاحب شریعت نہ ہوں کیونکہ قرآن میں سارے احکام نئے نہیں۔ اس کلام کا صاف مطلب یہ ہے۔ کہ جسطرح پہلے انبیاء اور رسول اللہ صلعم صاحب شریعت نبی ہیں۔ ویسے ہی مرزا صاحب بھی صاحب شریعت نبی ہیں۔

مرزا صاحب نے یہ بھی صاف کر دیا۔ کہ اگر کوئی یہ کہے کہ شریعت کے لئے یہ ضروری ہے۔ کہ تمام اوامر و نواہی اس شریعت اور کتاب اور وحی میں پُورے پُورے بیان ہونے چاہئیں تو یہ بھی باطل ہے۔ کیونکہ تمام احکام توراۃ اور قرآن مجید میں بھی مذکور نہیں۔ اگر تمام احکام قرآن مجید میں مذکور ہوتے۔ تو پھر اجتہاد کی گنجائش باقی نہ رہتی۔ اس سے معلوم ہوگیا۔ کہ اگر کوئی مدعی نبوت ایک امر و نہی کا بھی دعوےٰ کرے اگرچہ وہ امر و نہی پرانی ہو۔ تو وہ نبی صاحب شریعت کہلایا جائیگا۔ اور اس میں اور رسول اللہ صلعم میں باین معنی کچھ فرق نہیں۔ کہ یہ دونوں صاحب شریعت ہیں۔

یہ بات بھی ثابت ہو گئی۔ کہ اگر کسی نبی کو خدا کا بھی حکم آوے۔ کہ تجھکو ہم نے نبی کر کے بھیجا ہے اور تو لوگوں پر اس حکم کی تبلیغ کر اور جو کوئی اس حکم کو نہ مانیگا۔ وہ کافر ہے۔ تو وہ نبی بھی صاحب شریعت اور نبی تشریعی ہو گیا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا۔ کہ جو نبی حقیقی ہے۔ اور جو نبی شرعی ہے۔ اس کے لئے نبی تشریعی ہونا ضروری ہے۔ اس لئے مرزا صاحب اپنی تحریر اور اس قرار کے مطابق کافر ہوئے۔ اس کے علاوہ مرزا صاحب نے یہ بھی فرمایا ہے۔ کہ میری کشتی کو کشتی نوح قرار دیا گیا ہے۔ جو اس میں ہوگا۔ وہ نجات پائیگا۔ اور جو ایسا نہ ہوگا وہ ہلاک ہوگا۔ یہ مرزا صاحب کی شریعت کا نیا حکم ہے۔ جس نے شریعت محمدیہ کو منسوخ کیا۔

مرزا صاحب نے ایک نیا حکم یہ بھی دیا ہے۔ کہ ان کی عورتوں کا نکاح غیر احمدیوں سے جائز نہیں۔ یہ بھی حکم شریعت محمدیہ کے خلاف ہے۔

(یہ نتیجہ بحوالہ کتاب انوار الخلافۃ مرتبہ مرزا محمود صاحب صفحہ ۹۳-۹۴ اخذ کیا گیا ہے) مرزا صاحب کی شریعت میں ایک نیا حکم اور یہ بھی ہے۔ جو تمام اسلام کے خلاف ہے۔ کہ مرزا صاحب نے اپنے مریدوں سے چندہ کی تحریک فرما کر یہ حکم فرمایا ہے۔ کہ جو کوئی چندہ تین ماہ تک ادا نہ کریگا وہ میری بیعت سے خارج ہے۔ اور بیعت سے خارج ہونیکا مطلب یہ ہے۔ کہ وہ اسلام سے خارج ہے۔ اور کافر ہے۔ حالانکہ زکوٰۃ کے لئے بھی خدا نے یہ حکم نہیں دیا۔ کہ اگر تین ماہ تک کوئی زکوٰۃ نہ دے۔ تو وہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔ یہ حوالہ مرزا صاحب کے ایک فرمان سے جو لوح ہدیٰ میں جو قادیان سے دسمبر ۱۹۰۲ئہ میں شائع ہوئی دیا گیا ہے اس فرمان کے چیدہ چیدہ الفاظ حسب ذیل ہیں۔

مجھے خدا نے بتلایا ہے کہ میری انہی سے پیوند ہے۔ یعنے وہی خدا کے دفتر میں مرید ہیں جو اعانت اور نصرت میں مشغول ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہر ایک شخص جو مرید ہے اس کو چاہیئے کہ وہ اپنے نفس پر کچھ ماہوار مقرر کر دے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جو شخص کچھ بھی مقرر نہیں کرتا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ منافق ہے اب اس کے بعد وہ اس سلسلہ میں نہیں رہ سکیگا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اگر تین ماہ تک کسی کا جواب

نہ آیا۔ تو سلسلہ بیعت سے اس کا نام کاٹ دیا جائے گا۔

اس کے آگے گواہ مذکور آیت مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ کے حوالہ سے بیان کرتا ہے۔ کہ آیت اس امر کی تصریح کرتی ہے کہ رسول اللہ صلعم کے بعد کوئی نبی نہیں۔ اور جب کوئی نبی آپ کے بعد نہیں۔ تو کوئی رسول بھی آپ کے بعد بطریق اولیٰ نہیں۔ کیونکہ رسول نبی ہوتا ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ جو نبی ہو وہ رسول بھی ہو۔ اور اس کی تائید میں احادیث متواترہ ہیں۔ جن کو صحابہ کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے ایسی احادیث کا انکار کرنیوالا ویسا ہی کافر ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کا انکار کرنے والا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ جو ختم نبوت کا انکار کرتا ہے۔ وہ قرآن کا منکر ہو کر بھی کافر ہوا۔ اس کی تائید میں انہوں نے چند ائمہ دین کے اقوال نقل کئے ہیں۔ اور ان سے یہ دکھلانا چاہا ہے۔ کہ احادیث متواترہ میں یہ خبر درج ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم کے بعد کوئی نبی پیدا ہونیوالا نہیں ہے۔ اور کہ ہر وہ شخص جو آپ کے بعد اس مقام نبوۃ کا دعوےٰ کرے وہ جھوٹا اور افتراء پرداز ہے۔ دجال اور گمراہ کرنیوالا ہے۔ اگرچہ شعبدہ بازی کرے۔ قسم قسم کے جادو اور طلسم اور نیرنگیاں دکھلائے اور کہ جو شخص دعوےٰ نبوت کرے۔ وہ کافر ہے۔ اور پھر ان حوالجات سے یہ نتیجہ نکالا ہے۔ کہ یہ عقیدہ کہ رسول اللہ صلعم خاتم النبیین ہیں۔ یقینی ہے۔ اور اجماعی ہے۔ کیونکہ اس میں اختلاف نہیں ہے۔ کتاب اور سنت سے ثابت ہے۔ اور آپ کے بعد کوئی کسی قسم کی نبوۃ میں نبی نہ بنیگا۔ عیسےٰ علیہ السلام کا آنا اس کا منافی نہیں۔ کیونکہ وہ پہلے نبی بن چکے ہیں۔ خاتم الانبیاء کے معنے بھی یہی ہیں۔ کہ اپنے عموم سے کسی نبی کو نبوت آپ کے بعد نہیں مل سکتی۔ اس کی تائید میں چند دیگر آیات قرآنی اور احادیث بھی پیش کیگئی ہیں۔ جن کی یہاں تفصیل کی ضرورت نہیں اور ان کا حوالہ دیا جا کر یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے۔ کہ انکار ختم نبوت۔ کفر اور دعا نبوت بھی کفر اور ادعاء وحی بھی کفر ہے۔ البتہ ایک حدیث کا یہاں حوالہ دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ جس پر آگے مدعا علیہ کے جواب کے وقت بحث کیجائے گی۔ وہ حدیث بایں مطلب ہے کہ رسول اللہ صلعم نے

ارشاد فرمایا ہے۔ کہ میری مثال اور ان انبیاء کی مثال جو مجھ سے پہلے تھے۔ اُس شخص کی سی ہے۔ کہ جس نے ایک مکان تعمیر کیا۔ اور بہت اچھا اور بہت خولبصورت اس کو بنایا۔ مگر اس کے کونے میں ایک اینٹ کی جگہ باقی رہی۔ لوگ اس مکان کو دیکھتے ہیں۔ اور تعجب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اینٹ کیجگہ جو خالی ہے اُس کو کیوں پُر نہ کر دیا گیا۔ سو میں ہوں وہ اینٹ۔ اور میں ہوں خاتم النبیین۔ اس حدیث سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے۔ کہ تعمیر بیت نبوت جو ابتدائے آفرینش سے ہونی تھی۔ وہ بدوں سرورِ عالم صلعم کے ناقص تھی۔ سرورِ عالم کے وجود باجود سے وہ مکمل ہو گئی۔ اور بیت النبوۃ میں کوئی جگہ باقی نہیں رہی۔ اب اگر کوئی اینٹ ہو گی تو وہ بیت النبوۃ سے نہیں ہو سکتی۔ اگر کوئی شخص مدعی نبوت ہو گا۔ تو خدا نے جو نبوت کا گھر تعمیر کیا ہے۔ وہ اُس کا جزو نہیں ہو سکتی۔

مرزا صاحب کے قول ۱۵ سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ قرآن کریم سے صراحتاً یہ بات معلوم ہوئی۔ کہ رسول اس کو کہتے ہیں۔ جس نے احکام و قواعد دین جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ سے حاصل کئے ہوں۔ اگر مرزا صاحب نے احکام و عقائد اس ذریعہ سے حاصل نہیں کئے۔ تو دعوئے نبوت جھوٹ ہوا۔ اور جھوٹا مدعی نبوّت باتفاق کافر ہوتا ہے۔

مرزا صاحب کے قول ۱۳ سے مولوی نجم الدین صاحب گراہ مدعیہ نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ مرزا صاحب اپنے پر جبرئیل علیہ السلام کے نزول کے۔ مدعی ہیں۔ اور صرف دعوے پر ہی اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ اپنی شانِ نبوّت و رسالت کا سکہ جمانے کے لئے تمام خصوصیات نبوۃ و لوازماتِ رسالت کو نہایت جزم اور وثوق کیساتھ اپنی ذات کے لئے ثابت کرنے میں کسر نہیں چھوڑی۔ جن خصوصیات کیوجہ سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی جماعت دوسرے مقربانِ بارگاہ الٰہی سے ممتاز ہو سکتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام پر بھی نزول جبرئیل ہوا کرتا ہے اور ان کے وحی و الہام قطعی و یقینی ہوا کرتے ہیں۔ اسطرح مرزا صاحب بھی اپنے

وحی کو خدا کا کلام کہتے ہیں۔ اور قرآن شریف کیطرح قطعی کہتے ہیں۔ یہ خصوصیات مذکورہ ایسی ہیں۔ جو سوائے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اصحابِ شریعت کے اور کسی دوسرے مقرب بارگاہ الٰہی میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ مرزا صاحب حقیقی نبوت کے مدعی تھے۔ اور اپنے آپ کو اس معنے میں نبی اور رسول ظاہر کرتے تھے۔ جس معنے میں دیگر انبیاء علیہم السلام کو نبی یا رسول کہا گیا ہے۔

گواہانِ مرعیہ نے خود مرزا صاحب کی اپنی تحریرات سے بھی یہ دکھلایا ہے۔ کہ وہ خود قبل از دعوئے نبوت یہی عقیدہ رکھتے تھے۔ کہ رسول اللہ صلعم کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا اور کہ آپ آخری نبی ہونے کے معنوں میں خاتم النبین ہیں۔ چنانچہ ازالۃ الاوہام کے صفحہ ۵۲۲ پر مرزا صاحب لکھتے ہیں۔ کہ نبی کیونکر آسکتا ہے۔ اور خاتم النبین کی دیوار روئیں اس کو آنے سے روکتی ہے۔ آگے اس کتاب کے صفحہ ۵۳۴ پر لکھتے ہیں۔ لیکن وحی نبوۃ پر تو تیرہ سو برس سے مہر لگ چکی۔ کیا یہ مہر اسوقت ٹوٹ جائے گی۔ اور کتاب حمامۃ البشریٰ میں آیت مَا كَانَ مُحَمَّدٌ ...... خَاتَمَ النَّبِيِّينَ کی تشریح میں لکھتے ہیں ہمارے نبی صلعم خاتم النبین ہیں۔ بغیر کسی استثنار کے اور ہمارے نبی صلعم نے بھی ارشاد فرمایا ہے۔ کہ ہمارے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اور ہمارے نبی صلعم کے بعد اگر ہم کسی نبی کے ظہور کے جواز بنیں گے تو نبوت کا دروازہ بند ہونے کے بعد اس کو کھولنے کے قائل ہو جائیں گے۔ اور یہ اللہ کے وعدہ کے خلاف ہے۔ ہمارے نبی صلعم کے بعد کیطرح کوئی نبی آسکتا ہے۔ حالانکہ آپکے بعد وحی کا انقطاع ہو چکا ہے۔ اور نبی آپ کیساتھ ختم ہو چکے ہیں۔ پھر اس کتاب کے صفحہ ۲۰ پر لکھتے ہیں۔ کہ ہزارہا سال کے گذرنے کے بعد کسی ایسی حالت کا انتظار کیا جا سکتا ہے۔ جس میں دین کی تکمیل ہو۔ اگر یہ مانا جائے تو دین کی تکمیل اور اس کے کمال سے فراغت کا سلسلہ بالکل غلط ہو جاتا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کا یہ قول کہ الیوم اکملت لکم دینکم جھوٹی خبر ہو گئی۔

اور خلاف واقع ہو گئی۔ اسی کتاب کے صفحہ ۹۶ کے ایک حوالے سے یہ دکھلایا گیا ہے۔ کہ مرزا صاحب بھی پہلے دعوئے نبوۃ کو کفر سمجھتے تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ میں نبوت کا دعوئے کروں۔ اور اسلام سے نکل جاؤں اور قوم کافرین کے ساتھ ملجاؤں ازالتہ الاوہام صفحہ ۱۴۲ پر لکھتے ہیں۔ کہ یہ ظاہر ہے۔ کہ یہ بات مستلزم محال ہے۔ کہ خاتم النبین کے بعد پھر جبرائیل کی وحی رسالت کیساتھ زمین پر آمدورفت شروع ہو جائے ایک نئی کتاب اللہ گو مضمون قرآن شریف سے توارد رکھتی ہو پیدا ہو جائے۔ جو امر مستلزم محال ہے۔ وہ محال ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کے بعد پھر یہ تحریر فرمایا۔ کہ میں بھی تمہاری طرح بشریت کے محدود علم کیوجہ سے یہی اعتقاد رکھتا تھا۔ کہ عیسٰی ابن مریم آسمان سے نازل ہوگا۔ اور باوجود اس بات کے کہ خدا تعالےٰ نے براہین احمدیہ حصص سابقہ میں میرا نام عیسٰی رکھا۔ اور جو قرآن شریف کی آئیتیں پیش گوئی کے طور پر حضرت عیسٰی علیہ السلام کیطرف منسوب تھیں وہ سب آئیتیں میری طرف منسوب کر دیں۔ اور یہ فرمایا کہ تمہارے آنیکی خبر قرآن اور حدیث میں موجود ہے۔ مگر پھر بھی میں متنبہ نہ ہوا۔ اور براہین احمدیہ حصص سابقہ میں وہی غلط عقیدہ اپنی رائے کے طور پر لکھدیا۔ اور شائع کر دیا۔ کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے۔ اور میری آنکھیں اسوقت تک بالکل بند رہیں جبتک کہ خدا نے بار بار کھول کر مجھکو نہ سمجھایا۔ کہ عیسٰی ابن مریم اسرائیلی تو فوت ہو چکا۔ اور وہ واپس نہیں آئیگا (براہین احمدیہ جلد پنجم صفحہ ۹۴)

ایک اور جگہ کتاب حقیقت البنوۃ صفحات ۲۶۵/۲۶۶ پر لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کے بعد جو درحقیقت خاتم النبین تھے۔ مجھے نبی اور رسول کے لفظ سے پکارا جانا کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس سے مہر ختمیت ٹوٹتی ہے۔ کیونکہ میں بارہا بتلا چکا ہوں کہ میں بموجب آیت وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ بروزی طور پر وہی خاتم الانبیاء ہوں۔ اور خدا نے آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام محمد

اور احمد رکھا اور مجھے آنحضرت صلعم کا ہی وجود قرار دیا ہے ۔ پس اس طور سے آنحضرت صلعم کے خاتم النبیین ہونے میں میری نبوت سے کوئی تزلزل نہیں آیا۔ کیونکہ ظل اپنے اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا۔ آگے لکھتے ہیں۔ کہ یہ ممکن ہے کہ آنحضرت صلعم نہ ایک دفعہ بلکہ ہزار دفعہ دنیا میں بروزی رنگ میں اور کمالات کیساتھ اپنی نبوۃ کا بھی اظہار کریں۔ اور یہ بروز خدا کی طرف سے ایک قرار یافتہ عہد تھا۔ پھر لکھتے ہیں۔ کہ چونکہ وہ بروز محمدی جو قدیم سے موعود تھا۔ وہ میں ہوں۔ اس لئے بروزی رنگ کی نبوۃ مجھے عطا کیگئی ہے۔ اور اس نبوت کے مقابل پر اب تمام دنیا بے دست و پا ہے۔ کیونکہ نبوت پر مہر ہے۔ ایک اور جگہ لکھا ہے۔ کہ کمالات متفرقہ جو تمام دیگر انبیاء میں پائے جاتے ہیں۔ وہ سب حضرت رسول کریم میں ان سب سے بڑھکر موجود تھے۔ اور اب وہ سارے کمالات حضرت رسول کریم سے ظلی طور پر ہم کو عطا کئے گئے ہیں۔ پہلے تمام انبیاء ظل تھے۔ نبی کریم کے خاص خاص صفات میں۔ اور اب ہم ان تمام صفات میں نبی کریم کے ظل ہیں۔ اس عبارت سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے۔ کہ ظل اور بروز کے الفاظ محض لفاظ ہی الفاظ ہیں۔ مراد ان سے حقیقت کاملہ نبوۃ ہے۔

ان تصریحات سے مولوی نجم الدین صاحب گواہ مدعیہ کا یہ استدلال ہے۔ کہ مرزا صاحب نے قرآن حکیم کی آیات اور احادیث نبوی سے اپنی نبوت کے لئے جو دلائل پیش کئے ہیں وہ محض لاطائل اور بے معنی سعی ہے۔ کیونکہ مرزا صاحب براہین احمدیہ کے لکھتے وقت اور اس سے مدتوں پہلے اپنی قرآن دانی اور حکم فہمی کے مدعی تھے۔ اگر ان کو اس سے پہلے قرآن کی رُو سے کسی نئے نبی کے آنیکا انکار تھا۔ تو بعد میں قرآن کی کونسی آیت اُتری یا نبی کریم صلعم کی کونسی حدیث پیدا ہوئی جسکی بنا پر مرزا صاحب نے نبوت کا ادعا کیا خاتم النبیین کی آیت اور الیوم اکملت لکم۔ کی آیت اُس وقت بھی قرآن میں موجود تھیں۔ یہ ہردو آیتیں قسم اخبار میں سے ہیں۔ اور اوامر و نہی کیساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں۔ اگر

ادعائے نسخ سے پناہ لیکر کوئی تاویل کیجاوے تو اوامر و نواہی میں جاری ہوسکتی ہے۔ اخبار میں نہیں ہوسکتی۔ یہ مسئلہ تمام اہل اسلام کے نزدیک مسلمہ اور متفق علیہ ہے۔ پھر کیونکر از روئے قرآن یا حدیث اپنے کو ادعا نبوت میں صادق کہہ سکتے ہیں۔

ختم نبوۃ کے معنے کو جیسا کہ عام عقیدہ ہے۔ مرزا صاحب تسلیم کرتے ہیں۔ اور اپنے کلام میں اسطرح اس کو استعمال کرتے ہیں۔ لیکن صرف اپنی خوش خیالی کو باقی رکھنے کے لئے بے محل، اور خلاف محاورات عرب تاویل کر کے جان بچانے کی کوشش کی ہے۔

آگے وہ کہتے ہیں کہ مرزا صاحب نے خاتم النبیین کے بعد بروزی طور پر اپنے آپ کو نبی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر خود انہی کے کلام سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ جو شخص خاتم ہو۔ اس کا بروز بھی نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب تریاق القلوب کے صفحہ ۲۷۰ حاشیہ پر لکھتے ہیں۔ "مگر مہدی معہود بروزات کے لحاظ سے بھی دنیا میں نہیں آئیگا۔ کیونکہ وہ خاتم الاولاد ہے"۔ اس کتاب کے صفحہ ۸ پر لکھتے ہیں۔ کہ یہ بعض اکابر اولیاء کے مکاشفات ہیں۔ اور اگر احادیث نبویہ کو بغور دیکھا جاوے۔ تو بہت کچھ ان کو ان مکاشفات کو مدد ملتی ہے۔ لیکن یہ قول اس حالت میں صحیح پڑتا ہے۔ جب مہدی معہود اور مسیح موعود کو ایک ہی شخص مان لیا جاوے۔ اس حوالہ سے مرزا صاحب کا بروزی اور ظلّی نبی ہونیکا دعوٰے بھی غلط ثابت ہوتا ہے۔ اور یہ ثابت ہے۔ کہ حضرت محمد الرسول اللہ صلعم خاتم النبیین والمرسلین ہیں۔ آپ کے بعد جو شخص اپنے لئے ادعا نبوت کرے۔ یا کسی دوسرے کو نبی مانے تو وہ تمام اہل اسلام کے نزدیک کافر۔ مرتد۔ اور خارج از اسلام ہے۔ اس کی تائید کہ ظلّی اور بروزی الفاظ محض الفاظ ہی ہیں۔ اور کہ دراصل مرزا صاحب کی مراد حقیقی نبوت سے ہے۔ مرزا صاحب کے صاحبزادے بشیر محمود صاحب کی ایک تحریر سے ہوتی ہے۔ جو اخبار الفضل مورخہ ۲۶ نومبر ۱۹۱۳ء کے حوالہ سے مدعیہ کے گواہ مولوی مرتضٰے حسن صاحب نے نقل کی ہے۔ اور جو بالفاظ ذیل ہے۔

ہم جیسے خدا تعالیٰ کی دوسری وحیوں میں حضرت اسمٰعیل۔حضرت ادریس علیہم السلام کو نبی پڑھتے ہیں۔ ایسے ہی خدا کے آخری وحی میں مسیح موعود کو بھی یا نبی اللہ کے خطاب سے مخاطب دیکھتے ہیں۔ اور اُس نبی کے ساتھ کوئی لغوی یا ظلی یا جزوی کا لفظ نہیں پڑھتے۔ کہ اپنے آپ کو خود بخود ایک مجرم فرض کر کے اپنی بریت کرنے لگجائیں بلکہ جیسے اور نبیوں کی نبوۃ کا ثبوت ہم دیتے ہیں۔ بلکہ اس سے بڑھکر کیونکہ ہم چشمدید گواہ ہیں مسیح موعود کی نبوت کا ثبوت دیکھتے ہیں۔ پھر لکھا ہے۔ کہ خدا تعالےٰ نے صاف لفظوں میں آپ کا نام نبی اور رسول رکھا۔ اور کہیں بروزی اور ظلی نبی نہیں کہا۔ پس ہم خدا کے حکم کو مقدم کریں گے۔ اور آپ کی تحریریں جن میں انکساری اور فروتنی کا غلبہ ہے اور جو نبیوں کی شان ہے۔ اس کو ان الہامات کے تحت کریں گے۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے۔ کہ مرزا صاحب نے یہ الفاظ انکساری اور تواضع کے طور پر لکھ دیئے ہیں۔ ورنہ ان کے معنے مراد نہیں ہیں۔ مرزا صاحب جہاں اپنے آپ کو بروزی یا ظلی یا مجازی نبی کہتے ہیں اس کا مطلب صرف حقیقی نبی سمجھنا چاہیئے۔

اسیطرح خلیفہ دوم اخبار الفضل مورخہ ۹۔ ۲۔ جون ۱۹۱۵ء بذیل صفحہ ۳ کی سطر (۱) میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ مسیح موعود کو نبی اللہ تسلیم نہ کرنا۔ اور آپ کو اُمتی قرار دینا۔ یا اُمتی گروہ میں سمجھنا گویا آنحضرت کو جو سید المرسلین و خاتم النبین ہیں اُمتی قرار دینا ہے۔ اور اُمتیوں میں داخل کرنا ہے جو کفر عظیم اور کفر بعد کفر ہے۔

ختم نبوت اور انقطاع وحی پر مولوی محمد حسین صاحب گواہ مدعیہ نے ایک اور دلیل پیش کی ہے وہ یہ کہ قرآن شریف پر مجموعی طور پر نظر ڈالنے سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ کہ آنحضرت صلعم آخری نبی ہیں۔ اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔ جس کی توجیہہ یہ ہے۔ کہ اللہ جل شانہٗ نے آدم علیہ السلام سے وحی نبوت کے جاری ہونے کے سلسلہ کی خبر دی ہے یہ ابتدا ء وحی اور آغاز وحی ہے۔ اس کے بعد ہم نوح علیہ السلام کے زمانہ تک پہنچتے ہیں۔ اور قرآن شریف سے یہ پتہ

یتے ہیں۔ کہ آیا سلسلہ نبوت جاری ہے۔ یا نہ جواب ملتا ہے کہ ہاں جاری ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا ہے۔ وَلَقَدْ اَوْحَیْنَا نُوْحًا وَاِبْرٰهِیْمَ وَ وَهَبْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِمُ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ ۔ اِس سے معلوم ہوا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے ذریت میں سلسلہ نبوت جاری ہے۔ اور ذریت ابراہیم میں بھی ابھی سلسلہ نبوت جاری ہے۔ دوسری بات اِس سے یہ ثابت ہوئی۔ کہ نبوت کا ظرف اور محل آلِ ابراہیم ہی ہے۔ جس کا عملی ثبوت یہ ہے۔ کہ اللہ عزاسمہ نے حضرت ابراہیم کی اولاد میں دو شعبہ قرار دیئے ہیں۔ ایک "بنی اسحاق" جن میں پہلے نبوت کا سلسلہ جاری رہا اور بہت انبیاء ان میں آئے۔ اور یہ سلسلہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ختم ہوا۔ دوسرے "بنی اسماعیل" جن میں آنحضرت صلعم تک کوئی نبی نہ آیا۔ اِس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کیطرف نگاہ کیجائے تو قرآن شریف سے یہ معلوم ہوگا۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد سلسلہ نبوت جاری ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے ولقد اٰتینا موسی الکتاب و قفینا من بعدہ بالرسل ۔ اِس آیت سے یہ ثابت ہوا۔ کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد سلسلہ نبوت جاری ہے۔ اور کئی ایک رسولوں کے آنیکا وعدہ ہے۔ جیسا کہ لفظ "اَلرُّسُل" سے ظاہر ہے۔ اِس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وقت آتا ہے۔ تو قرآن کریم سے سوال ہوتا ہے۔ کہ آیا بکثرت انبیاء ابھی آئینگے؟ یا کیا ہوگا۔ تو خداوند تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے۔ وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ ...... الخ خداوند سبحانہٗ تعالےٰ نے یہاں پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان پر اسلوب جواب کو بالکل بدلدیا ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں۔ کہ اے بنی اسرائیل میں اللہ کا رسول تمہاری طرف ہو کر آیا ہوں اور مجھ سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کی کتاب تورات جو خدا کیطرف سے ان کو عطا ہوئی ہے۔ اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ اور خوشخبری دیتا ہوں۔ ایک رسول کی کہ جو میرے بعد آئیگا۔ نام اُس کا احمد ہوگا۔ قرآن کریم نے اِس سے پہلے رسل کے لفظ سے عام طور پر رسولوں کے آنیکی خبر دی تھی۔ اور یہاں ایک خاص رسول کی خبر دیکر اُس کے نام سے مشخص اور معین فرمادیا

یہ اسلوب صاف اِس بات پر دلالت کرتا ہے کہ خُداوند تعالےٰ احمد صلعم پر نبوت کو ختم کر رہا ہے اور عام طور پر جو رسولوں کے آنیکا اسلوب تھا۔ اس کو بدل کر ایک خاص متعین مشخص کے آنیکی اطلاع دیتا ہے۔ اِس کے بعد آنحضرت صلعم کا زمانہ آتا ہے۔ تو ہم قرآن سے پوچھتے ہیں۔ کہ آنحضرت کے آنے کے بعد سلسلۂ نبوت جاری ہے۔ یا بند ہو جاتا ہے۔ تو قرآن کریم فرماتا ہے۔ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِن رِجَالِكُم وَلٰكِن رَسُولَ اللهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّين یہ بات قابل غور ہے۔ کہ خُداوند تعالےٰ نے مختلف انبیاء کے زمانہ میں سلسلہ نبوت جاری رہنے۔ اور رسل کے آنیکی اطلاع دی۔ اور آنحضرت صلعم پر آکر اس اطلاع کے برخلاف جو بصورت اجراء نبوت بمثل سابق ایسی اطلاع دیجانی ضروری تھی۔ جیسا کہ پہلے دیگئی۔ ختم نبوت کا اعلان کر دیا جس سے قطعاً اور یقیناً یہ بات معلوم ہوئی۔ کہ قرآن کریم مجموعی طور پر ختم نبوت کا اعلان کر رہا ہے۔

اِس ضمن میں دو احادیث کا حوالہ جو گواہ مذکور نے دیا ہے۔ اور دیگر گواہان مدعیہ کے بیانات میں بھی موجود ہے۔ دیا جانا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ فریق ثانی کے جواب میں یہ حدیثیں بحث طلب ہیں۔ ایک حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں انبیاء آتے رہے جب ایک نبی فوت ہو جاتا۔ تو دوسرا نبی آجاتا۔ لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں اور خلیفہ ہونگے پس بہت ہوں گے۔

دوسری حدیث یہ ہے کہ جنگ تبوک پر جاتے ہوئے۔ آپ نے جب حضرت علی کو اہلبیت کی نگرانی کے لئے چھوڑا تو حضرت علی نے عرض کیا کہ آپ مجھکو عورتوں اور بچوں میں چھوڑے جاتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ تو مجھ سے وہی نسبت رکھتا ہے۔ جیسا کہ ہارون کو موسےٰ علیہ السلام سے تھی۔ البتہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ اگر نبوت آنحضرت کے بعد تشریعی یا غیر تشریعی جاری ہوتی تو حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو رسول اللہ صلعم لا نبی بعدی کہکر اس وصف سے محروم نہ کرتے۔ گواہ مذکور نے قرآن مجید سے ختم نبوت کی ایک اور یہ دلیل بھی پیش کی ہے۔ کہ سورہ آل عمران پارہ تیسرا کی آیت قولوا امنا باللہ وما انزل الیک .... الخ ہے

اللہ تعالٰے نے یہ ظاہر فرمایا ہے کہ جو کچھ انبیاء علیہم السلام پر وحی نازل کیگئی وہ زمانہ ماضی میں
ہوئی۔ اور اللہ تعالٰے نے ہمیں انہی انبیاء پر ایمان لانے کی ترغیب دی۔ جو آنحضرت سے
پہلے ہو چکے ہیں۔ اور کسی ایسے نبی کے لئے ایمان لانیکی تاکید نہیں کی۔ جو آپ کے بعد ہو۔ اگر کوئی
نبی آنحضرت صلعم کے بعد آنیوالا ہوتا۔ تو ضرور اللہ تعالٰے ہمیں اُس پر ایمان لانیکی تاکید فرماتا۔ سورہ
بقر کی ایک اور آیت والذین یؤمنون بما انزل الیک ...... الخ میں بھی
خداوند تعالٰے نے انہیں کو ہدایت پر قائم رہنے والا اور مفلحون فرمایا ہے۔ جو آنحضرت کی وحی پر
اور آپ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی وحی پر اور آخرت پر ایمان رکھتے ہوں۔ اور قرآن کریم
نے یہ التزام کیا ہے۔ کہ ہر جگہ وحی کیساتھ لفظ قبل کو ملایا ہے تاکہ یہ بات ثابت ہو کہ آنحضرت صلعم سے
پہلے ہی وحی نبوت اور انبیاء علیہم السلام آئے ہیں چنانچہ اس کی تائید میں مولوی نجم الدین صاحب
گواہ مدعیہ نے سورہ سبا پارہ ۲۲ کی آیت وما ارسلناک الا کافۃ للناس ..... الخ
سے یہ استدلال کیا ہے۔ کہ متقی بننے کے لئے صرف ان چار چیزوں کی ضرورت ہے۔ جو اس آیت
میں بیان کیگئی ہیں۔ ایک تو وہ وحی ہے جو آنحضرت صلعم کیطرف نازل کیگئی۔ دوسری وہ
جو آپ سے پہلے لوگوں پر نازل کیگئی۔ اگر آنحضرت صلعم کے بعد بھی کسی وحی پر انسانوں کی
نجات اور اتقاء کی مدار ہوتی تو اللہ تعالٰے اُسے بھی یہاں ذکر فرما دیتا۔ مگر ایسا نہیں کیا گیا۔
معلوم ہوتا ہے کہ کسی اور نئی بات کی یا نئی وحی کی متقی بننے کے لئے حاجت نہیں۔ اور نہ
ہی اُس کے آنے پر یا اس کے ماننے پر انسانوں کی نجات کا دار و مدار ہے۔

ختم نبوت کے بارہ میں مرزا صاحب کی ایک اور تحریر بہت واضح ہے۔ جسکا ذکر مولوی
مرتضٰے حسن صاحب گواہ مدعیہ کے بیان میں ہے۔ مرزا صاحب اپنی کتاب ازالہ اوہام کے
صفحہ ۲۲۵ پر لکھتے ہیں۔ کہ یہ بات ہم کئی مرتبہ لکھ چکے ہیں۔ کہ خاتم النبیین کے بعد مسیح
ابن مریم رسول کا آنا فساد عظیم کا موجب ہے۔ اس سے یا تو یہ ماننا پڑے گا کہ وحی نبوت کا
سلسلہ پھر جاری ہو جائے گا۔ یا یہ قبول کرنا پڑے گا کہ خدا تعالٰے مسیح ابن مریم کو لوازم نبوت کے

الگ کرکے۔ اور محض ایک اُمتی بنا کر بھیجیگا۔ اور یہ دونوں صورتیں ممتنع ہیں۔" اسیطرح صفحہ ۴۳۸ پر لکھتے ہیں۔ کہ ہم ابھی لکھ چکے ہیں۔ کہ خداتعالےٰ قرآن کریم میں فرماتاہے۔ کہ کوئی رسول دُنیا میں مطیع اور محکوم ہو کر نہیں آتا۔ بلکہ وہ مطاع اور صرف اپنی اُس وحی کا متبع ہوتا ہے۔ جو اُس پر بذریعہ جبرئیل علیہ السلام نازل ہوتی ہے۔ اب یہ سیدھی بات ہے۔ کہ جب حضرت مسیح ابن مریم نازل ہوئے۔ اور حضرت جبرائیل لگاتار آسمان سے وحی لانے لگے۔ اور وحی کے ذریعہ انہیں تمام اِسلامی عقائد اور صوم۔ صلوٰۃ اور زکوٰۃ اور حج اور جمیع مسائل فقہ کے سکھلائے گئے تو پھر بہرحال یہ مجموعہ احکام دین کا کتاب اللہ کہلائے گا۔ اگر یہ کہو کہ مسیح کو وحی کے ذریعہ صرف اتنا کہا جائیگا۔ کہ تو قرآن پر عمل کر اور پھر وحی مدت العمر تک منقطع ہو جائیگی۔ اور کبھی جبرائیل نازل نہ ہونگے۔ بلکہ وہ مسلوب النبوت ہو کر امتیوں کیطرح بن جائیں گے۔ تو یہ طفلانہ خیال ہنسی کے لائق ہے۔ ظاہر ہے۔ کہ اگرچہ ایک ہی دفعہ وحی کا نزول فرض کیا جائے۔ اور صرف ایک ہی فقرہ حضرت جبرائیل لائیں۔ اور پھر چپ ہو جائیں۔ یہ امر بھی ختم النبوۃ کا منافی ہے۔ کیونکہ جب ختمیت کی مہر ہی ٹوٹ گئی اور وحی رسالت پھر نازل ہونی شروع ہو گئی۔ تو پھر تھوڑا یا بہت نازل ہونا برابر ہے۔ ہر ایک دانا سمجھ سکتا ہے۔ کہ اگر خداوند تعالےٰ صادق الوعد ہے اور جو آیت خاتم النبیین میں وعدہ دیا گیا ہے اور جو حدیثوں میں بتصریح بیان کیا گیا ہے۔ کہ اب جبرائیل بعد وفات رسول اللہ صلعم ہمیشہ کے لئے وحی نبوۃ لانے سے منع کیا گیا ہے۔ یہ تمام باتیں سچ اور صحیح ہیں۔ تو پھر کوئی شخص بحیثیت رسالت ہمارے نبی صلعم کے بعد ہرگز نہیں آسکتا۔ اِس سے مُرتبہ کیطرف سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے۔ کہ مرزا صاحب نے اس کی تصریح کردی ہے۔ کہ کوئی نبی مطیع یعنے اُمتی نہیں بن سکتا۔ بلکہ وہ مطاع اور صرف اپنی اس وحی کا متبع ہوتا ہے جو اُس پر بذریعہ جبرائیل علیہ السلام نازل ہوتی ہے۔ اب سوال یہ ہے۔ کہ جب مرزا صاحب نبی ہوئے۔ تو انہوں نے اس وحی کی اتباع کی۔ جو اُن پر نازل ہوئی۔ یا قرآن کی۔ اگر قرآن کی اتباع کی تب بھی مرزا صاحب کافر۔ کیونکہ ان کو اپنی وحی کی اتباع

کرنی چاہیئے تھی - اور اگر اپنی وحی کی اتباع کی - تب بھی کافر کیونکہ قرآن کو چھوڑا - کتاب ازالۃ الاوہام مرزا صاحب کے دعوے کے کچھ عرصہ بعد تحریر ہوئی - اور اس وقت تک وہ خاتم النبیین کے وہی معنے سمجھتے رہے - جو ساری دُنیا نے سمجھے - اور ایک نبی کا آنا اور ایک دفعہ جبرائیل علیہ السلام کا اُترنا اور ایک فقرہ کہنا - کہ تم قرآن کا اتباع کرو - یہ سب چیزیں مرزا صاحب کے نزدیک ختم النبوۃ کے مخالف تھیں - اور اس سے مہر نبوت ٹوٹتی تھی -

ہر صدی میں کم از کم ایک مجدد آتا ہے - ان کا یہ فرض ہوتا ہے - کہ دنیا میں جو لوگوں سے غلطی ہو گئی ہے - اُس پر لوگوں کو متنبہ کریں - اور بالخصوص ایسے امور اور عقائد کی نسبت کہ جن سے انسان کافر ہو جائے - علاوہ ازیں امت میں بے شمار اولیاء - ابدال - اقطاب گذرے اور تمام صحابہ کرام ان میں سے کسی نے خاتم النبیین کے یہ معنے نہیں کئے - جو مرزا صاحب نے اب بیان کئے ہیں - اس لئے جو معنے ختم النبوت کے اب تجویز کئے ہیں - جس کی بناء پر نبوت کا جاری رہنا اور وحی نبوت کا جاری رہنا ضروری ہے - اور جس مذہب میں وحی نبوت نہ ہو - وہ مذہب مرزا صاحب کے نزدیک لعنتی اور شیطانی مذہب کہلانیکا مستحق ہے اس بناء پر اگر یہ معنے صحیح ہیں تو جب تک مرزا صاحب کا مذکورہ بالا عقیدہ رہا - مرزا صاحب بھی کافر ہوئے - اور ان سے پہلے جتنے مسلمان اس عقیدہ پر گذرے وہ سب کے سب کافر ہوئے - اور اگر مسلمانوں کا اور مرزا صاحب کا عقیدہ سابقہ صحیح تھا - تو پہلے لوگ تو مسلمان اور مرزا صاحب اس عقیدہ کے بدلنے کے بعد کافر ہو گئے - یہ نتائج مولوی مرتضےٰ حسن صاحب کے بیان سے اخذ ہوتے ہیں - آگے وہ یہ کہتے ہیں - کہ مرزا صاحب نے یہ کہا ہے کہ جو امر مستلزم محال ہے - وہ محال ہوتا ہے - اس سے اگر مراد محال عقلی ہے تو اس کا اخفاء نا جائز ہے - بالخصوص تیرہ سو برس تک - جبکہ صحابہ تابعین - ائمہ مجتہدین اور ائمہ فقہائے - کہ جنہوں نے عقلی امور کی بال کی کھال نکالدی ہے اور اگر محال سے مراد محال شرعی ہے - تو وہ بھی مخفی نہیں رہ سکتا - بالخصوص اتنے زمانہ تک اور اتنے علمائے متبحرین پر - اور مجددین پر - اس سے

ثابت ہوتا ہے۔ کہ مرزا صاحب کا اس کلام کے لکھنے تک یہی عقیدہ تھا کہ خاتم النبیین کے معنے یہ ہیں۔ کہ کوئی جدید یا قدیم نبی آ ہی نہیں سکتا۔ علمائے اُمّت نے جو مسئلہ ختم النبوت پر اجماع بیان کیا ہے۔ اور جس آیت کے معنے لکھے ہیں اور وہ معنے مرزا صاحب کے مسلمات میں سے ہیں۔ وہی حق ہیں۔ اور اب جو اس معنے سے انکار کرے وہ کافر اور بیشک کافر ہے

ایک اور کتاب حمامۃ البشریٰ کے صفحہ ۳۴ پر مرزا صاحب نے جو کچھ لکھا ہے۔ اس کا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بارہ میں کسی مسلمان کو جائز نہیں۔ کہ اس کلام کو جو احادیث میں آیا ہے۔ ظاہری معنے پر حمل کرے۔ اس واسطے کہ یہ آیت **مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ** ...... الخ خاتم النبیین کے مخالف ہے۔ کیا تمہیں یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالےٰ نے رسول اللہ صلعم کا نام خاتم الانبیاء رکھا ہے۔ اور اس میں کسی کی استثنار نہیں کی۔ اور پھر اس خاتم الانبیاء کی خود اپنے کلام میں تفصیل فرمائی۔ **لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ** سے جو سمجھنے والوں کے لئے بیان واضح ہے۔ اور اگر ہم یہ جائز رکھیں کہ آپ کے بعد کوئی نبی آسکتا ہے تو لازم آتا ہے کہ دروازہ وحی نبوت کا بعد بند ہونیکے کھلجائے۔ اور آپکے بعد کوئی نبی کیسے آسکتا ہے حالانکہ وحی منقطع ہوچکی ہے اور اللہ تعالےٰ نے آپکے ساتھ تمام نبیونکو ختم کردیا ہے۔ کیا ہم اسکا اعتقاد رکھیں کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام آئیں گے اور خاتم الانبیاء وہ بنے نہ ہمارے رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم۔

اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ مرزا صاحب نے اس میں اس بات کی تصریح کردی ہے کہ خاتم الانبیاء کی تفسیر بغیر کسی استثناء کے رسول اللہ صلعم نے اس کلام میں فرمائی۔ کہ **لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ** اور معلوم ہوا کہ مرزا صاحب کے نزدیک خاتم النبیین کی تفسیر **لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ** ہے۔ اور خاتم النبیین کے معنے یہ ہیں کہ آپکے بعد کوئی نبی نہیں آئیگا۔ اس میں کسی نبی بروزی ظلی وغیرہ کی قید نہیں اور اب **لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ** کا یہ معنے لینے کہ اس سے مراد خاص وہ نبی ہے جو مستقل نبی ہو اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے الگ ہو کر اُسنے نبوت حاصل کی ہو کیونکہ یہ معنے مرزا صاحب کے نزدیک بھی غلط ہیں اور اب معنی اُنکے ہرگز قابل پذیرائی نہیں۔ مرزا صاحب خاتم کے یہ معنے کرتے ہیں۔ کہ رسول کریم مہر ہیں۔

اور آپ کے منظور کرنے سے نبی بنتے ہیں بکتاب حقیقت النبوۃ صفحہ ۲۹۹ حصہ اول ضمیمہ ملے لکھتے ہیں۔ کہ چونکہ میں ظلی طور پر محمد ہوں۔ پس اس طور سے خاتم النبیین کی مہر نہیں ٹوٹی کیونکہ محمد صلعم کی نبوت محمد صلعم تک ہی محدود رہی۔ یعنے بہر حال محمد صلعم ہی نبی رہا نہ کوئی اور۔ سید انور شاہ صاحب گواہ مدعی اس سے یہ مطلب اخذ کرتے ہیں۔ کہ میں آئینہ بن گیا ہوں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا۔ اور مجھ میں تصویر اتر آئی ہے رسول کریم صلعم کی۔ اس سے مہر نبوت نہ ٹوٹی۔ یہ تمسخر ہے خدا اور خدا کے رسول صلعم کیساتھ:

اب باقیماندہ وجوہات تکفیر میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین۔ اور دیگر انبیا علیہم السلام کی توہین کے بارہ میں گواہان مدعیہ کے بیانات کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ اس ضمن میں مرزا غلام احمد صاحب کے حسب ذیل تحریروں پر اعتراض کیا گیا ہے۔ مرزا صاحب اپنی کتاب دافع البلاء کے آخری صفحہ پر لکھتے ہیں۔

لیکن مسیح کی راستبازی اپنے زمانہ میں دوسرے راستبازوں سے بڑھکر ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ یحییٰ نبی کو اس پر ایک فضیلت ہے۔ کیونکہ وہ شراب نہیں پیتا تھا۔ اور کبھی یہ نہیں سُنا گیا۔ کہ کسی فاحشہ عورت نے آکر اپنی کمائی کے مال سے اس پر عطر ملا تھا۔ یا اپنے ہاتھوں یا سر کے بالوں سے اُس کو چھوا تھا۔ یا کوئی بے تعلق جوان عورت اس کی خدمت کرتی تھی۔ اسوجہ سے خدا نے قرآن میں یحییٰ علیہ السلام کا نام "حصور" رکھا۔ مگر مسیح کا یہ نام نہ رکھا۔ کیونکہ ایسے قصے اس نام کے رکھنے سے مانع تھے۔

حاشیہ ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۵ پر لکھتے ہیں۔ کہ پس اس نادان اسرائیلی نے ان معمولی باتوں کا پیشگوئی نام کیوں رکھا۔" آگے حاشیہ صفحہ ۶ پر لکھتے ہیں۔ کہ آپ کو گالیاں دینے اور بد زبانی کی اکثر عادت تھی۔" اس صفحہ پر آگے کہتے ہیں۔ کہ میرے نزدیک آپ کی یہ حرکات جائے افسوس نہیں کیونکہ آپ تو گالیاں دیتے تھے۔ اور یہودی ہاتھ سے کسر نکال لیا کرتے تھے" آگے ہے

کر یہ بھی یاد رہے۔ کہ آپ کو کسقدر جھوٹ بولنے کی عادت تھی" ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۲ کے حاشیہ پر ہے۔ کہ آپ کا خاندان بھی نہایت پاک اور مطہر ہے۔ تین دادیاں اور تین نانیاں آپکی زناکار اور کسبی تھیں۔ جن کے خون سے آپ کا وجود ظہور پذیر ہوا۔ آگے لکھتے ہیں کہ آپکا کنجریوں سے میلان اور صحبت بھی شاید اسوجہ سے ہو کہ جدی مناسبت درمیان ہے۔ ورنہ کوئی پرہیزگار انسان ایک جوان کنجری کو یہ موقع نہیں دیسکتا۔ کہ وہ اُس کے سر پر اپنے ناپاک ہاتھ لگاوے"۔ آگے ہے کہ سمجھنے والے سمجھ لیں۔ کہ ایسا انسان کس چلن کا آدمی ہوسکتا ہے"

یہ گالیاں یسوعؑ کا نام لیکر ضمیمہ انجام آتھم میں درج کیگئی ہیں۔ لیکن بیان کیا جاتا ھے کہ مرزا صاحب کے نزدیک یسوع اور مسیح ایک تھے۔ کیونکہ مرزا صاحب اپنی کتاب توضیح المرام صفحہ ۳ پر فرماتے ہیں کہ "مسیح ابن مریم جس کو عیسیٰ اور یسوع بھی کہتے ہیں"۔ اسیطرح اپنی کتاب حاشیہ کشتی نوح صفحہ ۶۵ پر لکھتے ہیں۔ کہ یورپ کے لوگوں کو جسقدر شراب سے نقصان پہنچا ہے۔ اس کا سبب تو یہ تھا۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام شراب پیا کرتے تھے۔ شاید کسی بیماری کیوجہ سے۔ اے مسلمانو تمہارے نبی صلعم تو ہر ایک نشہ سے پاک اور معصوم تھے۔

حاشیہ ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۵ پر ہے۔ جن جن پیشنگوئیوں کا اپنی ذات کی نسبت توراۃ میں پایا جانا آپنے بیان فرمایا۔ ان کتابوں میں ان کا نام ونشان بھی نہیں پایا جاتا۔

حاشیہ صفحہ ۶ پر لکھتے ہیں اور نہایت شرم کی بات ہے کہ آپ پہاڑی تعلیم کو جو انجیل کا مغز کہلاتی ہے یہودیوں کی کتاب "طالمود" سے چرا کر لکھا ہے۔ اور پھر ایسا ظاہر کیا ہے۔ کہ گویا میری تعلیم ہے آگے ہے۔ کہ آپ کے حقیقی بھائی آپ کی اِن حرکات سے آپ سے سخت ناراض رہتے تھے اور ان کو یقین تھا۔ کہ آپ کے دماغ میں ضرور کچھ خلل ہے"

کتاب ست بچن صفحہ ۱۷۱ کے حاشیہ پر لکھتے ہیں۔ کہ یہ درخواست بھی صریح اِس بات پر دلیل ہے۔ کہ یسوع درحقیقت بوجہ بیماری مرگی کے دیوانہ ہوگیا تھا" ضمیمہ انجام آتھم حاشیہ صفحہ ۶ پر ہے کہ عیسائیوں نے بہت سے آپ کے معجزات لکھے ہیں مگر حق بات یہ ہے۔ کہ آپ سے کوئی

معجزہ نہیں ہوا" اِس کتاب کے صفحہ ۶ پرہے کہ آپ نے معمولی تدبیر کیسا تھ کسی شب کور وغیرہ کو اچھا کیا ہو۔ یا کسی ایسی بیماریوں کا علاج کیا ہو۔ مگر آپ کی بدقسمتی سے اس زمانہ میں ایک تالاب بھی موجود تھا۔ جس سے بڑے بڑے نشان ظاہر ہوتے تھے۔ خیال ہو سکتا ہے۔ کہ اِس تالاب کی مٹی آپ بھی استعمال کرتے ہوں گے۔ اِس تالاب سے آپکے معجزات کی پوری پوری حقیقت کھلتی ہے۔ اور اِس تالاب نے فیصلہ کردیا ہے۔ کہ اگر آپ سے کوئی معجزہ بھی ظاہر ہوا ہو۔ تو وہ معجزہ آپ کا نہیں ہے۔ بلکہ اس تالاب کا معجزہ ہے۔ اور آپ کے ہاتھوں میں سوائے مکروفریب کے اور کچھ نہ تھا۔ ۰۰ کی کتاب ضمیمہ انجام آتھم کےحاشیہ صفحہ ۹ پر آگے مسلمانوں کو مخاطب کرکے یہ لکھتے ہیں کہ خُداوند تعالےٰ نے قرآن شریف میں کوئی خبر نہیں دی۔ کہ یسوع کون تھا۔ اور پادری اِس بات کے قائل ہیں۔ کہ یسوع وہ شخص تھا کہ جس نے خُدائی کا دعوئے کیا۔ اور حضرت موسیٰ کا نام ڈاکو اور بٹ مار رکھا۔ اور آنے والے نبی کے مقدس وجود سے انکار کیا۔ اور کہا کہ میرے بعد سب جھوٹے نبی آئیں گے۔ پس ہم ایسے ناپاک خیال اور متکبر اور راستبازوں کے دشمن کو ایک بھلے مانس آدمی بھی قرار نہیں دے سکتے۔ چہ جائیکہ اس کو نبی قرار دیں۔"

اور کتاب ست بچن صفحہ ۱۶۷، ۱۶۸ پر لکھتے ہیں۔ اور بالخصوص یسوع کے دادا صاحب داؤد نے تو سارے بُرے کام کئے۔ ایک بیگناہ کو اپنی شہوت رانی کے لئے فریب سے قتل کرایا۔ اور دلالہ عورتوں کو بھیجکر اس کی جورو کو منگوایا۔ اور اُس کو شراب پلائی۔ اور اُس سے زنا کیا اور بہت سا مال حرام کاری میں ضائع کیا۔ اعجاز احمدی صفحہ ۱۴ پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تین پیشنگوئیوں کو غلط قرار دیا گیا ہے۔ ازالتہ الاوہام صفحہ ۱۲۵ کے حاشیہ پر درج ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے باپ یوسف کیساتھ بائیس سال نجاری کا کام کرتے رہے ہیں کشتی نوح صفحہ ۱۶ پر لکھتے ہیں۔ کہ مریم کی وہ شان ہے جس نے ایک مدت تک اپنے تئیں نکاح سے روکا۔ پھر بزرگان قوم کے نہایت اصرار سے بوجہ حمل کے نکاح کر لیا۔ گو لوگ

اعتراض کرتے ہیں کہ برخلاف تعلیم تورات عین حمل میں کیونکر نکاح کیا گیا۔ اور بتول ہونیکے عہد کو کیوں توڑا گیا۔ اور تعدادِ ازدواج کی کیوں بنا ڈالی گئی۔ مگر میں کہتا ہوں کہ یہ سب مجبوریاں تھیں جو پیش آگئیں۔ اس صورت میں وہ لوگ قابل رحم تھے۔ نہ قابل اعتراض

ازالہ اوہام جلد اول صفحہ ۳ پر مرزا صاحب مولویوں کو مخاطب کر کے کہتے ہیں۔ کہ اس سے زیادہ تر قابل افسوس یہ امر ہے۔ کہ جسقدر حضرت مسیح کی پیشنگوئیاں غلط نکلیں اسقدر صحیح نکل نہیں سکیں"۔

دافع البلاء صفحہ ۵ پر لکھتے ہیں۔ کہ خدا نے اس امت میں سے مسیح موعود بھیجا جو اس پہلے مسیح سے اپنی تمام شان میں بہت بڑھکر ہے۔ اور اس نے اس دوسرے کا نام غلام احمد رکھا۔ اسی کتاب کے صفحہ ۱۳ پر لکھتے ہیں۔ کہ جبکہ خدا نے اور اس کے رسول نے اور تمام نبیوں نے آخری زمانہ کے مسیح کو ان کے کارناموں کیوجہ سے افضل قرار دیا ہے۔ تو پھر یہ وسوسہ شیطانی ہے۔ کہ کہا جائے کہ کیوں تم اپنے تئیں مسیح ابن مریم سے افضل قرار دیتے ہو"

مولوی انور شاہ صاحب نے لفظ یسوع کی اصل یہ بتائی ہے کہ یہ دراصل عبرانی لفظ ہے اور عبرانی میں ایشوع بمعنے نجات دہندہ تھا۔ ایشوع سے یسوع بنا۔ اور زبان عربی میں آکر لفظ عیسیٰ بنا۔ اور یہ تعریب قرآن سے شروع نہیں ہوئی۔ بلکہ نزول قرآن سے پہلے عرب کے نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کو عیسیٰ ہی بولتے تھے

ازالۃ الاوہام صفحہ ۳۰۹ پر لکھتے ہیں۔ ماسوا اس کے یہ بھی قرین قیاس ہے کہ ایسے ایسے اعجاز طریق عمل ترب یعنے مسمریزمی طریق سے بطور لہو و لعب نہ بطور حقیقت ظہور میں آسکیں کیونکہ عمل ترب میں جسکو زمانہ حال میں مسمریزم کہتے ہیں۔ ایسے ایسے عجائبات ظہور میں آتے رہتے ہیں۔ اگر یہ عاجز اس عمل کو مکروہ اور قابل نفرت نہ سمجھتا۔ تو اللہ تعالےٰ کے فضل و توفیق سے امید قوی رکھتا تھا۔ کہ ان عجوبہ نمائیوں میں حضرت مسیح ابن مریم سے کم نہ رہتا لیکن مجھے وہ روحانی طریق پسند ہے۔

اِن عبارات سے یہ نتائج نکالے گئے ہیں۔ کہ مرزا صاحب یہ بخوبی جانتے تھے۔ یسوع مسیح ایک ہی شخص ہے۔ جیسا کہ ان کی اپنی تحریرات سے ظاہر ہوتا ہے۔ اِس لئے وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ انہوں نے یسوع کے نام سے جو کچھ کہا ہے اس سے عیسیٰ علیہ السلام مُراد نہیں ہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ ان میں سے بعض فقرات عیسائی پادریوں کے جوابات میں الزامی صُورت میں بیان کئے گئے ہیں۔ تو یہ جواب بھی صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ان فقرات میں اس قسم کے الفاظ کہ "حق بات یہ ہے" وغیرہ وغیرہ الزامی جوابات نہیں ہو سکتے بلکہ مرزا صاحب کی اپنی تحقیق کا نتیجہ شمار ہونگے۔ نیز دافع البلاء کے حوالہ سے جو عبارت نقل کیگئی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ خُدا کے نزدیک بھی عیسیٰ علیہ السلام کو "حصُور" نہ کہنے کیلئے مذکورہ بالا قصے مانع تھے۔ اِس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک بھی جو عالم الغیب ہے۔ یہ بات محقق تھی۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں یہ عیوب موجود ہیں۔ اس لئے اس کا نام "حصُور" نہ رکھا۔ اور جو کا یہاں مرزا صاحب نے پہلے "انجام آتھم" میں عیسے علیہ السلام کو دی تھیں وہی یہاں مذکور ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پاکبازی اور راست گوئی کا ثبوت احادیث سے ملتا ہے۔ اور قرآن نے ان کی شان میں کہا ہے۔ کہ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ رسولوں کو دنیا میں صرف اِس لئے بھیجا جاتا ہے کہ لوگ ان کے نقش قدم پر چلیں اور ان کی اطاعت کریں۔ مرزا صاحب نے عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں نہایت گستاخانہ الفاظ استعمال کئے ہیں۔ ان کے معجزات کو مسمریزم کہا ہے۔ حالانکہ مسمریزم اقسام سحر اور توجہ نفسانی کا ایک شعبہ ہے۔ کہ جسکا کسی پاکباز یا نیک آدمی کیساتھ اختصاص نہیں کیا جاسکتا۔ ہر بداخلاق بلکہ کافر تک اس کا عمل کرسکتا ہے۔ اور پھر ایسے معجزات کو جسکو قرآن کریم نے نہایت شان اور عظمت سے ذکر فرمایا ہے۔ عمل ترب یا مسمریزم کہنا نہایت گستاخی اور بے ادبی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے جو معجزات ثابت کئے گئے ہیں ان کو آج تک

تمام علمائے اُمّت اور عامۃ المسلمین قبول کرتے رہے۔ مرزا صاحب نے ان کو مسمریزم وغیرہ کیطرف منسوب کرکے خواہ مخواہ ایک رخنہ اندازی فرمائی۔ ان کا عیسٰی علیہ السلام کی اسطرح توہین کرنی ایک وجہ کفر ہے۔ چنانچہ مرزا صاحب نے بھی اپنی کتاب ضمیمہ چشمہ معرفت صفحہ ۱۸ پر جو عبارت بالفاظ ذیل ہے:۔ شاید کسی صاحب کے دل میں یہ بھی خیال آوے۔ ...... تا موجب نزول غضب الٰہی درج کی ہے۔ اس میں صاف لکھا ہے کہ اسلام میں کسی نبی کی تحقیر کفر ہے۔ اور سب پر ایمان لانا فرض ہے۔ اور کہ کسی نبی کا اشارہ سے بھی تحقیر کرنا سخت معصیت ہے اور موجب نزول غضب الٰہی"۔

اس کی تائید میں منجانب گواہان مدعیہ چند سندات۔ قرآن احادیث اور اقوال بزرگان پیش کئے گئے ہیں۔ جن کی یہاں تفصیل درج کرنیکی ضرورت نہیں۔ صرف مختصراً یہ درج کیا جاتا ہے۔ کہ سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ نے یہ کہا ہے کہ سب اور ناسزا کہنا پیغمبروں کو اور طعن کہنا۔ سرچشمہ ہے۔ جمیع انواع کفر کا اور مجموعہ ہے۔ جملہ گمراہیوں کا۔ اور ہر کفر اس کی شاخ ہے اور کسی نبی کی ادنٰے توہین کرنا بھی کفر ہے۔ اور کہ امام احمدؒ فرماتے ہیں۔ کہ جس نے ناسزا کہا نبی کریم کو یا تنقیص کی مسلمان ہو یہ شخص یا کافر۔ سزا اس کی قتل ہے اور علماء نے کہا ہے۔ کہ تعریض کرنا خدا کی سب کا یا رسول کی سب کا ارتداد ہے۔ اور موجب قتل ہے آگے بیان کرتے ہیں کہ علماء نے جب توراۃ اور انجیل محرف سے کوئی چیز محرف نقل کی ہے اُن سے نتیجہ یہ نکالا ہے کہ یہ کتابیں تحریف شدہ ہیں۔ مرزا صاحب یہ نتیجہ نکالتے ہیں۔ کہ عیسٰی علیہ السلام نالائق تھے۔ علماء کے طریق میں اور مرزا صاحب کے طریق میں کفر اور اسلام کا فرق ہے۔

مولوی نجم الدین صاحب گواہ مدعیہ نے بیان کیا ہے۔ کہ مرزا صاحب نے اپنے آپ کو یوسف علیہ السلام سے بھی افضل کہا ہے۔ اور کتاب دافع البلاء کے صفحہ ۲۰ پر مرزا صاحب کہتے ہیں۔ کہ ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو۔ اس سے بہتر غلام احمد ہے" اور یہ کہ باتیں شاعرانہ نہیں

بلکہ دائمی ہیں۔ کتاب ازالۃ الاوہام جلد اوّل صفحہ ۹۹ سے مرزا صاحب کا ایک اور شعر نقل کیا گیا ہے۔ جو بالفاظ ذیل ہے۔ "اینک منم کہ حسب بشارات آدم۔ عیسیٰ کجا است تا بنہد پا بمنبرم"

مولوی انور شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ قرآن شریف نے یہود اور نصاریٰ کے عقائد کی تکذیب کی ہے۔ اور ایک حرف موسیٰ اور عیسیٰ علیہ السلام کی ہتک کا اشارۃً یا کنایۃً نہیں فرمایا۔

اب اس عنوان توہین انبیاء کے دوسرے ہیڈنگ پر گواہان مدعیہ کے پیشکردہ دلائل بیان کئے جاتے ہیں۔

توہین انبیاء کے تحت گواہان مدعیہ نے یہ دکھلایا ہے۔ کہ مرزا صاحب نے نہ صرف عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کی ہے۔ بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بھی توہین کی ہے۔ بحوالہ کتاب حقیقت النبوۃ صفحہ ۲۶۵/۲۶۶ مرزا صاحب کے اس قول کہ میں بروزی طور پر ہی خاتم الانبیاء ہوں اور خدا نے آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام محمد اور احمد رکھا ہے۔ اور مجھے آنحضرت صلعم کا ہی وجود قرار دیا۔ پس اس طور سے آنحضرت صلعم کے خاتم النبیین ہونے میں میری نبوت سے کوئی تزلزل نہیں آیا۔ کیونکہ ظل اپنے اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا۔ یہ نتیجہ نکالا گیا ہے۔ کہ مرزا صاحب کو نبوت ملنے سے خاتمیت محمدیہ میں فرق نہ آنے کے یہی معنے ہو سکتے ہیں۔ کہ مرزا صاحب اور سرور عالم صلعم ایک ہوں۔ جو عقلاً اور نقلاً باطل ہے۔ اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بطریق تناسخ معاذ اللہ مرزا صاحب ہوئے۔ تو تناسخ کفر۔ اور اگر یہ معنے ہیں۔ کہ سایہ ذی سایہ کا عین ہوتا ہے۔ تو یہ ایسی باطل بات ہے۔ کہ دنیا جانتی ہے۔ کسی شخص کا سایہ ذی سایہ نہیں ہو سکتا۔ تو اب مرزا صاحب کا نبی ہونا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا نبی ہونا نہیں ہے۔ اگر بفرض محال یہ مان لیا جائے۔ کہ سایہ اور ذی سایہ ایک ہوتا ہے۔ تو رسول اللہ صلعم ظل اللہ ہیں۔ اور اسطرح وہ نعوذ باللہ عین خدا ہیں۔ اور مرزا صاحب عین محمد صلعم ہیں۔ تو اس سے صاف یہ نتیجہ ہے۔ کہ مرزا صاحب عین خدا ہوئے۔ اگر ظل ہونے کے یہ معنے ہیں۔ کہ ذی ظل کی کوئی صفت اس میں آجائے تو ایسی ظلیت تمام دنیا کو حاصل ہے۔ بہر حال مرزا صاحب کا ادعائے اتحاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ۔ رسول اللہ

صلے اللہ علیہ وسلم کی کُھلی توہین ہے۔

مرزا صاحب کے اِس قول سے کہ "تمام کمالات متفرقہ جو تمام دیگر انبیاء میں پائے جاتے ہیں......... نبی کریم کے ظِل ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ بروزی اور ظلی نبوت کوئی کم یا گھٹیا درجہ کی نبوت نہیں۔ کیونکہ ظل اور بروز کے لفظ سے یہ دھوکا پڑ سکتا تھا۔ کہ مرزا صاحب کی مُراد یہ ہوگی۔ کہ آئینہ میں جیسے کسی شخص کا عکس پڑتا ہے۔ اِسیطرح مرزا صاحب میں بھی کمالات محمدیہ اور نبوت کا عکس پڑا ہے۔ مگر مرزا صاحب نبی نہیں ہیں۔ اِسواسطے کہ کسی شخص کا عکس جو آئینہ میں ہے۔ اِس ذی عکس کی کوئی حقیقی صفت نہیں ہو سکتی۔ مرزا صاحب کی اِس عبارت نے اِس شبہ کو ایسا صاف اور حل کر دیا ہے۔ کہ شبہ کی گنجائش نہیں رہی۔ مرزا صاحب کا لفظ ظل، عکس اور بروز کا ہے۔ مگر مُراد ہے۔ حقیقت کاملہ نبوت۔ کیونکہ وہ فرماتے ہیں۔ کہ جتنے انبیاء گذرے ہیں۔ وہ سب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک صفت میں ظل تھے۔ اور باوجود اِس ایک صفت میں ظل ہونے کے وہ مستقل نبی صاحب شریعت تام اور حقیقی نبی تھے۔ اور مرزا صاحب تمام صفات میں ظل ہیں۔ تو ثابت ہو گیا۔ کہ مرزا صاحب تمام نبیوں سے بڑے تھے۔ اور یہ ایک بہت بڑا کفر ہے۔ مرزا صاحب بار بار تحریر کرتے ہیں کہ پہلے نبیوں کی نبوت براہ راست اور میری نبوت فیض محمدی کا اثر ہے۔ اِن کا یہ قول بھی غلط ہو جاتا ہے۔ اِس واسطے کہ جب ہر ایک نبوت ان کے نزدیک آپ کا فیض تھا۔ اِسطرح مرزا صاحب کی نبوت بھی آپ کا فیض ہے۔ لہذا یہ فرق کرنا بھی باطل ہوا۔

مرزا صاحب کے ایک اور قول سے۔ جو تریاق القلوب حاشیہ صفحہ ۱۰۳ سے نقل کیا گیا ہے۔ اور جو بالفاظ ذیل ہے:۔

"غرض جیسا کہ صوفیوں کے نزدیک مانا گیا ہے۔ کہ مراتب وجود دوریہ ہیں۔ اسیطرح ابراہیم نے اپنی خو۔ طبیعت اور دلی مشابہت کے لحاظ سے قریباً اڑھائی ہزار برس اپنی وفات کے بعد پھر عبد اللہ پسر عبد المطلب کے گھر میں جنم لیا۔ اور محمد کے نام سے پکارا گیا۔" سید انور شاہ صاحب

گواہ مدعیہ نے یہ استدلال کیا ہے۔ کہ

(الف) اِس قول سے یہ لازم آتا ہے۔ کہ سرور عالم صلعم کوئی چیز نہیں رہتے۔ اور آپ کا تشریف لانا بعینہٖ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تشریف لانا ہے۔ گویا کہ ابراہیم علیہ السلام کے یہ دُور ہیں۔ گویا اصل ابراہیم علیہ السلام رہے۔ اور آئینہ رسول اللہ صلعم ہوئے۔ اور چونکہ ظل اور صاحبِ ظل میں مرزا صاحب کے نزدیک عینیت ہے۔ اور اس وجہ سے وہ اپنے کو عین محمد کہتے ہیں۔ تو جب محمد صلعم بروز ابراہیم علیہ السلام ہوئے تو عین ابراہیم علیہ السلام ہوئے۔ اِس سے صاف لازم آتا ہے کہ معاذ اللہ رسول اللہ صلعم کا کوئی وجود بالاستقلال نہیں۔ اور نہ ان کی نبوت کوئی مستقل شے ہے۔

(ب) رسول اللہ صلعم ابراہیم علیہ السلام کے بروز ہوئے۔ اور خاتم النبیین آپ ہوئے۔ کہ خاتم بروز اور ظل ہوتا ہے۔ صاحبِ ظلؔ اور اصل نہیں ہوتا۔ اِسطرح مرزا صاحب آنحضرت صلعم کے بروز ہوئے تو خاتم النبیین مرزا صاحب ہوئے نہ کہ آنحضرت صلعم۔

(ج) جب رسول اللہ صلعم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بروز ہوئے تو جملہ کمالات نبوت اگر مجتمع ہونگے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام میں ہوں گے۔ نہ کہ آنحضرت صلعم میں۔ یہ باطل اور بے معنی ہے۔

اِس کے علاوہ یہ مضمون بھی فی نفسہٖ کہ آنحضرت صلعم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بروز ہوں اور ابراہیم علیہ السلام آنحضرت کے بروز ہوں۔ بے معنیٰ اور فضول ہے۔ اِسلام میں جنم کا عقیدہ کفر ہے۔ اور یہ ہے حقیقت مرزا صاحب کے نزدیک مجازی اور ظلی اور بروزی کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کے سلسلہ میں مولوی نجم الدین صاحب گواہ مدعیہ نے حسب ذیل مزید واقعات بیان کئے ہیں۔

کسی کے توہین کرنے کے یہ معنے ہیں کہ یا تو اس میں کوئی عیب جسمانی ظاہر کیا جائے۔ یا کسی بد اخلاقی کیساتھ اُس کو متہم کیا جائے۔ یا کسی کے لقب کو جس کے ساتھ اللہ تعالےٰ نے اُسے سرفراز فرمایا ہے۔ اس کا اپنے لئے دعوٰے کیا جائے۔ یا کوئی ایسی چیز اُس کے سامنے یا اس کی شان میں کہی جائے۔ جس سے اس کی دل آزاری ہو چنانچہ چند آیات قرآنی

جن میں اللہ تعالےٰ سبحانہٗ و تعالےٰ نے نبی پاک محمد صلعم کو چند مراتب اور مقامات علیہ سے مشرف فرمایا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے اُوپر چسپاں کرے تو لامحالہ رسول اللہ صلعم کی شان میں گستاخی اور بے ادبی سمجھی جائے گی۔ چنانچہ آیات ذیل۔

آیت سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ .... الخ

جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کیلئے شانِ معراج کا ذکر فرمایا گیا

دوسری آیت ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی .... الخ

جسمیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے جو قرب الٰہی جناب رب العزۃ سے حاصل ہوا تھا۔ یا بقول دیگر جبرائیل علیہ السلام سے ہوا ذکر ہوا ہے۔

وآیت اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا .... الخ

وآیت قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ .... الخ

وآیت اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ .... الخ

مرزا صاحب نے اپنے اُوپر نازل ہونی بیان کی ہیں۔ اور مقام محمود کو بھی اپنے حق میں تجویز کیا ہے۔ اور ان اشعار میں جو آگے بیان کئے گئے ہیں۔ کسی نبی کی استثناء نہیں کیگئی۔ ہمارے نبی کریم بھی انبیاء کی جماعت میں داخل ہیں۔ لفظ انبیاء کسی خاص نبی کیساتھ مختص نہیں۔ بلکہ تمام پر حاوی اور مشتمل ہے۔ دوسرے شعر کے مصرع ثانی میں اپنی افضلیت کیطرف اشارہ کیا گیا ہے۔ حقیقت الوحی صفحہ ۸۹ پر لکھتے ہیں۔ آسمان سے کئی تخت اُترے پر تیرا تخت سب سے اُوپر بچھایا گیا۔ اس میں بھی رسول اللہ صلعم کی توہین ہے۔

مرزا صاحب کتاب تحفہ گولڑویہ کے صفحہ ۶۳ پر لکھتے ہیں۔ کہ مثلاً کوئی شریر النفس ان تین ہزار معجزات کا کبھی ذکر نہ کرے۔ جو ہمارے نبی صلعم سے ظہور میں آئے۔ اور براہین احمدیہ میں لکھتے ہیں کہ ان چند سطروں میں جو پیشگوئیاں ہیں۔ وہ اِسقدر نشانوں پر مشتمل ہیں جو دس لاکھ سے زائد ہوں گے۔ اور نشان بھی ایسے کھلے کھلے ہیں۔ جو اول درجہ پر خرق عادت ہیں۔" ان عبارات سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم کے معجزات کو تین ہزار قرار دینا اور اپنے معجزات

دس دکھ۔ کیونکہ معجزہ خرقِ عادت ہوتا ہے۔ مرزا صاحب نے رسول اللہ صلعم پر اپنی کتنی بڑی فضیلت بیان کی۔ اس قسم کی توہین کو توہین تردی کہا گیا ہے۔ جس سے مراد یہ ہے۔ کہ عبارت اس لئے نہیں لائی گئی۔ کہ تنقیص کرے۔ مگر وہ عبارت صادق نہیں آتی۔ جبتک تنقیص موجود نہ ہو۔ مذکورہ بالا عبارات میں اس قسم کی تنقیص پائی جاتی ہے

اسی ضمن میں مرزا صاحب کا ایک قول درثمین صفحہ [illegible] سے نقل کیا گیا ہے۔ جو بالفاظ ذیل ہے۔ اس اگر یہی اعتراض ہو۔ کہ دیکھو وہ معجزات کہاں ہیں۔ تو میں صرف یہی جواب نہیں دونگا کہ میں معجزات دکھلا سکتا ہوں۔ بلکہ خدا کے فضل و کرم سے میرا جواب یہ ہے کہ اس نے میرا دعوے ثابت کرنے کے لئے اسقدر معجزات دکھلائے ہیں۔ کہ بہت ہی کم نبی ایسے آئے ہیں جنہوں نے اسقدر معجزات دکھلائے ہوں۔ کتاب اعجاز احمدی صفحہ [illegible] پر مرزا صاحب کا ایک شعر ہے۔ جو الفاظ ذیل سے شروع ہوتا ہے۔ "لہ خسف القمر المنیر وان لی" جس کا یہ مطلب ہے۔ کہ اس کے لئے چاند کے خسوف کا نشان ظاہر ہوا۔ اور میرے لئے چاند اور سورج کا۔ اسمیں شق القمر کے معجزہ کو چاند گرہن سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی توہین اور شق القمر کا انکار ہے۔ زیادہ تر توہین لفظ لہ کے استعمال اور طرزِ خطاب سے اخذ کیجاتی ہے۔ جس سے صاف طور پر تقابل دکھا کر اپنی فضیلت دکھلائی گئی ہے۔

اسطرح خطبہ الہامیہ صفحہ [illegible] سطر ۲ کے ایک مقولہ سے ظاہر کیا گیا ہے۔ کہ اس میں آدم علیہ السلام کی توہین کیگئی ہے۔ اور اس میں جو یہ الفاظ درج ہیں۔ کہ یہ وعدہ قرآن میں لکھا ہوا ہے۔ کہ مسیح موعود شیطان کو شکست دیگا۔ یہ بالکل خلاف واقع جھوٹ ہے۔ قرآن شریف میں اس قسم کی کوئی آیت نہیں ہے۔

اشعار محولہ بیان مولوی نجم الدین صاحب گواہ مدعیہ حسب ذیل ہیں۔

آنکہ دادست ہر نبی را جام   داد آں جام را مرا بتمام

انبیاء گرچہ بودہ اند بسے   من بعرفان نہ کمترم زکسے

کم نیم زاں ہمہ بروئے یقین ہر کہ گوید دروغ ہست وعین

اور جو مضمون ان اشعار میں ادا کیا گیا ہے۔ اس کے متعلق سید انور شاہ صاحب گواہ کیطرف سے یہ کہا گیا ہے۔ کہ باہمی فضیلت کا باب انبیاء میں فرقِ مراتب کا ہے۔ اور جو پیغمبر افضل ہو۔ وہ کسی قرینہ سے ظاہر ہو جائیگا۔ کہ وہ کسی دوسرے سے افضل ہے۔ اور نبی کریم صلعم نے اپنی امت کو یہ پہنچایا ہو مگر اس احتیاط کیساتھ کہ اس سے نوق متصور نہیں۔ اور ایسی فضیلت دینا ایک پیغمبر کو اگرچہ واقعی ہو۔ کہ جس میں دوسرے کی توہین لازم آتی ہو۔ کفر صریح ہے۔

چھٹی وجہ تکفیر میں مدعیہ کیطرف سے یہ کہا گیا ہے۔ کہ مرزا صاحب ازالۃ الاوہام کے صفحہ ۲۳۰ پر لکھتے ہیں۔ کہ تواتر کی جو بات ہے وہ غلط نہیں ٹھہرائی جا سکتی۔ اور تواتر اگر غیر قوموں کا ہو۔ تو وہ بھی قبول کیا جائیگا"

پھر اس کے ساتھ اگلے صفحہ پر جو کچھ لکھتے ہیں اس سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ تشریف لانیکی پیشگوئی ایسی متواتر پیشگوئیوں ہے۔ جو خیر القرون میں تمام ممالک اسلام میں پائی گئی تھی اور مسلمات میں سے سمجھی گئی۔ اور یہ اول درجہ کی پیشگوئی ہے۔ جسکو سب نے قبول کر لیا تھا۔ اور جسقدر صحاح میں پیشگوئیاں لکھی گئی ہیں۔ کوئی اس کے ہم پہلو نہیں انجیل بھی اسکی مصدق ہو۔ مگر اس کے بعد جب مرزا صاحب کو اس پیشگوئی کا انکار مطلوب ہوا۔ تو انہوں نے یہ کہا۔ کہ یہ بہت بے ادبی کی بات ہے کہ یہ کہا جائے کہ عیسیٰ علیہ السلام نہیں مرے۔ یہ نہیں ہے۔ مگر شرک عظیم۔ یہ عقیدہ حیات کا مسلمانوں میں نصرانیوں سے آیا ہے۔ پھر اس عقیدہ کو نصارے نے بہت مال خرچ کرکے مسلمانوں میں شائع کیا۔ شہروں میں اور گاؤں میں اس وجہ سے کہ ان میں کوئی شخص عقلمند نہ تھا۔ اور پہلے مسلمانوں سے یہ قول نہیں صادر ہوا۔ مگر لغزش کے طور پر وہ لوگ معذور ہیں۔ اللہ کے نزدیک اس واسطے کہ وہ لوگ گنہگار تھے۔ مگر قصداً نہ تھے۔ اور خطا کی وجہ یہ ہوئی کہ وہ سادہ لوح آدمی تھے۔ اگر کوئی مجتہد خطا کر دے تو اللہ اس کی غلطی کو معاف بھی کرتا ہے۔ ہاں جن کے پاس امام آیا۔ حکم بینات کیساتھ اور جس نے رشد کو گمراہی سے ظاہر کر دیا۔ اور پھر بھی انہوں نے اعتراض کیا۔ وہ لوگ خود

ہوں گے۔ اِس سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ مرزا صاحب حیات عیسٰیؑ علیہ السلام کو شرک نہیں۔ بلکہ شرکِ عظیم فرماتے ہیں۔ اور وعدہ الٰہی کے مطابق بمنشا آیت اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغفِرُ اَن یُّشرَكَ ...... الخ شرک کا معاف ہونا قطعاً محال ہے۔ اِس سے لازم آتا ہے کہ مرزا صاحب کے اِس قول کی بنا پر ساری اُمّت گمراہ تھی۔ اور ساری اُمّت مشرک و کافر تھی۔ اور جو شخص تمام اُمّت کو گمراہ اور کافر کہے۔ وہ خود کافر ہوتا ہے۔ مرزا صاحب کے اِس قول سے اسلام پر اتنا بڑا حملہ ہوا ہے۔ کہ اِسلام کی ایک ذرہ بھر وقعت نہیں رہ سکتی۔ جبکہ یہ ثابت بھی ہو گیا۔ کہ یہ عقیدہ بطریقِ تواتر تمام ممالکِ اسلام میں پھیل گیا تھا۔ اور سب نے قبول بھی کر لیا اور کسی چھوٹے بڑے کو اس کی برائی کی اطلاع نہ ہوئی۔ اگر مرزا صاحب تشریف نہ لاتے۔ تو جیسے پہلی ساری اُمّت معاذ اللہ شرکِ عظیم میں مبتلا تھی۔ آگے اِسیطرح۔ شرکِ عظیم میں مبتلا رہتی اور ممکن ہے کہ آئندہ کوئی اور شخص مجدد یا رسول اللہ صلعم کا بروز بنکر ۲۰۔ ۲۵ اور شرک ثابت کر دے تو جب قرآن اور حدیث اور مسلمانوں کا ایسا مذہب ہے۔ کہ شرکِ عظیم کا اس میں تیرہ سو برس تک پتہ نہ لگا۔ تو پھر اِس مذہب کا کیا اعتبار رہیگا۔

چنانچہ مرزا صاحب ایک اور استفتا ضمیمہ حقیقت الوحی صفحہ ۴۴ پر لکھتے ہیں۔ کہ جو شخص بالقصد اِس کا خلاف کرے اور یہ کہے۔ کہ عیسٰی علیہ السلام زندہ ہے۔ پس ان لوگوں میں سے ہے۔ کہ جو قرآن کے کافر ہیں۔ ہاں جو لوگ مجھ سے پہلے گذر گئے وہ اپنے اللہ کے نزدیک معذور ہیں"

دوسری کتاب دافع البلا میں صفحہ ۱۵ پر لکھتے ہیں۔ کہ ہم نے سُنا ہے۔ کہ وہ بھی دوسرے مولویوں کیطرح اپنے مشرکانہ عقیدہ کی حمایت میں کرتا کہ کسیطرح حضرت مسیح ابن مریم کو موت سے بچالیں۔ اور دوبارہ اُتار کر خاتم الانبیا رہنا دیں۔ بڑی جانکاہی سے کوشش کر رہے ہیں۔

الفضل جلد ۲ نمبر ۳ مورخہ ۲۹۔ جون ۱۹۱۵ء صفحہ ۶ پر درج ہے"۔ پس ان معنوں میں یہ مسیح موعود جو آنحضرت صلعم کی بعثت ثانی کے ظہور کا ذریعہ ہے۔ اِس کے احمد اور نبی اللہ ہونے سے انکار کرنا گویا آنحضرت کی بعثت ثانی اور آپ کے احمد اور نبی اللہ ہونیسے انکار کرنا ہے۔ جو منکر کو دائرہ اسلام

سے خارج اور پکا کافر بنا دینے والا ہے۔

اس ضمن میں مولوی نجم الدین صاحب گواہ مُدعِیہ نے ایک وجہ کفر یہ بیان کی ہے۔ کہ مرزا صاحب نے تمام مسلمانانِ عالم کو جو اُن کی جماعت میں داخل نہیں خواہ وہ ان کو کافر کہیں یا نہ کہیں۔ اور بقول خلیفہ ثانی ان کو دعوت پہنچے۔ یا نہ۔ خارج از اسلام قرار دیا ہے۔ جو شخص تمام اُمت محمدیہ کو اسلام سے خارج کہتا ہے۔ وہ کسطرح خود کُفر کی زد سے بچ سکیگا۔

ان وجوہِ تکفیر کے علاوہ مرزا صاحب کے حسب ذیل اعتقادات بھی عامۃ المسلمین کے اعتقادات کے خلاف بیان کئے گئے ہیں:۔

مرزا صاحب یہ کہتے ہیں کہ قیامت کے معنے جو مسلمان اب تک سمجھتے تھے۔ اس معنے پر قیامت نہیں ہو نیکی۔ قرآن میں جو نفخ صور آیا ہے نہ اس سے یہ مراد ہے کہ واقعی کوئی نفخ صور ہے اور نہ یہ مراد ہے کہ قیامت قائم ہو گی۔ بلکہ اس سے مُراد مرزا صاحب کا تشریف لانا ہے۔ قیامت کے متعلق جتنی آیات قرآن مجید میں ہیں اور جتنی احادیث میں ہیں ان تمام امور کا انکار ہے۔ صرف لفظوں کا انکار نہیں۔ مگر جن معنوں سے قرآن اور حدیث قیامت کو بیان کرتے ہیں۔ ان چیزوں کا انکار ہے مردوں کا قبروں سے اُٹھنا جو بہت سی آیات میں مذکور ہے اُس کا بھی انکار ہے۔ وغیرہ وغیرہ

مولوی غلام محمد صاحب شیخ الجامعہ گواہ مُدعِیہ نے مرزا صاحب کے چند دیگر اقوال بھی خلاف شریعت بیان کئے ہیں۔ جو حسب ذیل ہیں:۔

مثلاً مرزا صاحب اپنی کتاب آئینہ کمالات کے صفحہ ۵۶۴ و ۵۶۵ پر لکھتے ہیں۔ کہ میں نے خواب میں اپنے آپ کو اللہ کا عین دیکھا۔ اور یقین کیا کہ میں وہی ہوں۔ اور خدائی والوہیت میرے رگ وریشہ میں گھس گئی۔ اور میں نے اس حالت میں دیکھا۔ کہ ہم نیا نظام بنانا چاہیئے ہیں۔ نئی زمین نیا آسمان۔ پس پہلے میں نے آسمان اور زمین کو اجمالی صورت میں پیدا کیا۔ جس میں کوئی تفریق وترتیب نہ تھی۔ پھر میں نے اُن کو مرتب کیا۔ اور میں اپنے دل سے جانتا تھا۔ کہ میں ان کے پیدا کرنے پر قدرت رکھتا ہوں۔ پھر میں نے سب سے قریبی آسمان کو پیدا کیا۔ پھر

میں نے کہا۔ کہ انا زینا السماء الدنیا بمصابیح .... الخ پھر میں نے کہا۔ کہ ہم انسان کو کیچڑ میں سے پیدا کریں گے"۔

اِس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ مرزا صاحب نے اُلوہیت کا دعوے کیا۔ اور اپنے آپ کو خالق جانا۔ اور کوئی شخص جب خدائی دعوے کرے۔ اور اپنے آپکو خالق جانے تو وہ اِسلام سے مُرتد ہو جاتا ہے۔

حقیقت الوحی صفحہ ۸۶ پر لکھتے ہیں۔ کہ خدا نے مجھے فرمایا۔ کہ تو مجھ سے بمنزلہ میرے فرزند کے ہے"

اسی کتاب حقیقت الوحی کے صفحہ ۱۰۳ پر لکھتے ہیں۔ کہ میں رسول کیساتھ ہو کر جواب دوں گا۔ کبھی خطا کروں گا۔ کبھی ثواب کو پہنچوں گا۔ اِس سے خدا کو غلطی کرنے والا قرار دیا گیا ہے۔

اسی کتاب کے صفحہ ۷۵ پر لکھتے ہیں۔ کہ اللہ تعالے نے فرمایا کہ جیسے زمین و آسمان ہمارے ساتھ اسیطرح تمہارے ساتھ بھی ہے۔ اِس سے مرزا صاحب نے اللہ تعالے کیطرح اپنے آپکو حاضر و ناظر جانا۔

اسی کتاب کے صفحہ ۱۰۵ پر لکھتے ہیں۔ کہ اللہ تعالے فرماتا ہے۔ کہ تو جس چیز کو بنانا چاہے۔ پس کُن کہدے تو وہ ہو جائیگی۔

البشریٰ جلد دوم صفحہ ۷۹ پر لکھتے ہیں۔ کہ میں نماز بھی پڑھتا ہوں۔ روزے بھی رکھتا ہوں۔ جاگتا بھی ہوں۔ اور سوتا بھی ہوں جسطرح میں ازلی ہوں۔ اسیطرح تیرے لئے بھی میں نے ازلیت کے انوار کردئے ہیں۔ اور تو بھی ازلی ہے"۔

توضیح المرام کے صفحہ ۷۵ پر لکھتے ہیں۔ کہ قیوم العالمین ایک ایسا وجود عظیم ہے۔ کہ جس کے بیشمار ہاتھ اور بیشمار پیر ہیں اور ہر ایک عضو اس کثرت سے ہے۔ کہ تعداد سے خارج اور لاانتہا عرض و طول رکھتا ہے اور تیندوے کیطرح اِس وجود اعظم کی تاریں بھی ہیں۔ جو صفحہ ہستی کے تمام کناروں تک پھیل رہی ہیں۔ اور کشش کا کام دے رہی ہیں۔

اِس سے معلوم ہوا کہ مرزا صاحب خداوند تعالے کو تیندوے کیساتھ تشبیہ دیتے ہیں۔

کتاب ضمیمہ تریاق صفحہ ۳۹ پر مرزا صاحب لکھتے ہیں۔ کہ نئی زندگی ہرگز حاصل نہیں ہو سکتی۔ جبتک ایک نیا یقین پیدا نہ ہو۔ اور کبھی نیا یقین پیدا نہیں ہو سکتا۔ جبتک موسیٰ مسیح۔ اور یعقوب اور

محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کیطرح نئے معجزات نہ دکھلائے جائیں۔ نئی زندگی اپنی کرلیتی ہے جن کا خدا نیا ہو۔

اس سے مرزا صاحب نے خدا کو حادث بتلایا اور یہ عقائد وہ ہیں۔ جو مرزا صاحب نے اللہ تعالےٰ کے متعلق رکھے ہیں۔ اور ان سے یقیناً ایک مسلمان مرتد ہو جاتا ہے۔

قرآن شریف کے متعلق مرزا صاحب کا عقیدہ حسب ذیل ہے۔

حقیقت الوحی صفحہ ۸۴ پر لکھتے ہیں۔ کہ قرآن شریف خدا کی کتاب اور میرے منہ کی باتیں ہیں ان دلائل کے علاوہ مدینہ کیطرف سے چند نظائر بمثل مسیلمہ کذاب وغیرہ کے بھی پیش کیگئی ہیں۔ کہ انہوں نے دعوئے نبوت کیا تھا۔ اور اس بنا پر انہیں قتل کیا گیا۔ ان کی زیادہ تفصیل درج کرنیکی ضرورت نہیں۔

اس تمام بحث سے جو اوپر بیان ہوئی۔ حسب ذیل نتائج برآمد کئے گئے ہیں۔

۱۔ مرزا صاحب نے دعوئے نبوت تشریعیہ کیا۔ جو باتفاق اُمت اور باتفاق مرزا صاحب کفر ہے۔ مرزا صاحب نے اپنے کلام میں شریعت کی تشریح بھی کر دی ہے۔

۲۔ مرزا صاحب نے اقرار فرمایا کہ خاتم النبیین کے بعد مطلق نبوت منقطع ہے۔ اور جو دعوئے نبوت کرے وہ کافر ہے۔ مرزا صاحب نے دعوئے نبوت کیا اس لئے کافر ہوئے۔

۳۔ مرزا صاحب نے یہ بھی فرمایا۔ کہ خاتم النبیین کے بعد کوئی نبی جدید یا قدیم نہیں آسکتا۔ اور اس کو قرآن کا انکار کرنا بتلایا ہے۔ لیکن پھر خود دعوئے نبوت کیا۔

۴۔ مرزا صاحب نے فرمایا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔ آپکا خاتم الانبیاء ہونا۔ خاتم النبیین اور لانبی بعدی سے ثابت ہے۔ اور پھر اس کے بعد یہ کہا۔ کہ جو ایسا کہے۔ کہ آپ کے بعد نبوت نہیں آسکتی۔ وہ خود کافر ہے۔ اس لئے بھی مرزا صاحب کافر ہوئے۔

۵۔ مرزا صاحب نے جواز نبوت کو رسول اللہ صلعم کے بعد کفر قرار دیا ہے۔ اب مرزا صاحب اس نبوت کو فرض قرار دیتے ہیں اور ایمان قرار دیتے ہیں۔ یہ اس سے بڑھکر کفر ہے۔

مرزا صاحب دروازہ نبوت کو کھول کر اپنے ہی تک محدود نہیں رکھتے - بلکہ یہ کہتے ہیں کہ قیامت تک کھلا رہیگا - اِس وجہ سے بھی کافر ہوئے -

۷- مرزا صاحب یہ نہیں کہتے - کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی دوسرا نبی آئیگا - بلکہ یہ کہتے ہیں - کہ ممکن ہے کہ ہزار بار محمد رسول اللہ صلعم ہی خود بروز فرمائیں - گویا رسول اللہ صلعم جیسے ہزاروں لوگ یا ہزاروں نبی اب واقع ہو سکتے ہیں - امکان ذاتی نہیں - بلکہ امکان وقوعی ہے - پھر مرزا صاحب نے یہ کہا - کہ سرور عالم کی ایک بعثت پہلے تھی - ایک بعثت ثانیہ ہوئی - اِس کا حاصل تناسخ ہے - جو تناسخ کا قائل ہے - وہ کافر ہے -

۸- مرزا صاحب کہتے ہیں - کہ میں عین محمد ہوں - اِس میں سرور عالم کی توہین ہے - اگر واقعی عین ہیں تو کھلا ہوا کفر - اگر عین محمد نہیں ہیں - تو ان کے بعد دوسرے نبی ہوئے - اور ختم النبوت کی مہر ٹوٹ گئی - یہ اور وجہ کفر کی ہوئی -

۹- مرزا صاحب نے دعوئے وحی کیا - اور ساتھ ہی دعوئے وحی نبوت کیا جو کفر ہے -

۱۰- مرزا صاحب نے اس وحی کو قرآن - توراۃ انجیل کے برابر کہا - اِس بنا پر قرآن آخر الکتب باقی نہیں رہتا - یہ بھی وجہ کفر ہے -

۱۱- مرزا صاحب نے اپنے اقرار سے اور تمام علمائے اُس کی تصریح کی کہ جو شخص کسی نبی کو گالی دے - یا توہین کرے - وہ کافر ہے - مرزا صاحب نے عیسٰی علیہ السلام کی کئی وجوہ سے توہین کی - ہر توہین موجب کفر ہے - علاوہ ازیں مرزا صاحب نے آدم علیہ السلام کی سرور عالم کی توہین کی - اِس لئے بھی کافر ہوئے -

۱۲- مرزا صاحب نے احکام شریعت کو بدلا ہے لہذا اِس وجہ سے بھی مرزا صاحب پر کفر لازم آتا ہے - مرزا صاحب نے فرمایا کہ کسی احمدی عورت کا غیر احمدی سے نکاح جائز نہیں نیز یہ کہ کسی غیر احمدی کا جنازہ پڑھنا جائز نہیں - نیز فرمایا کہ پس یاد رکھو کہ خدا نے مجھے اطلاع دی ہے - تمہارے پر حرام اور قطعی حرام ہے - کہ کسی مکفر مکذب یا متردد کے پیچھے نماز

پڑھو۔ بلکہ چاہیئے کہ تمہارا وہی امام ہو جو تم میں سے ہو۔ حاشیہ تحفہ گولڑویہ۔ صفحہ ۱۰ (۱۲) مرزا صاحب نے فرمایا ہے کہ جو مجھے نہ مانے وہ کافر ہے۔

۱۳۔ مرزا صاحب نے نفخ صور کا انکار کیا۔ مردوں کے قبروں سے اُٹھنے سے انکار ہے جس طریق سے قیامت کی خبر قرآن اور حدیث میں آئی۔ اُن سے بالکل انکار ہے۔ صرف ظاہری الفاظ ہی رکھے۔ مگر معنے اُلٹ بیان کئے۔ یہ وجوہ بھی مرزا صاحب کی تکفیر کے ہیں۔ لہٰذا ان وجوہ پر کسی مسلمان مرد و عورت کا کسی احمدی مرد و عورت سے نکاح جائز نہیں۔ اگر نکاح ہو گیا تو اور نکاح کے بعد کوئی اس مذہب میں داخل ہو جائے۔ تو نکاح فوراً فسخ ہو جائیگا۔

اور اپنے اس ادعا کی تائید میں چند دیگر علماء کے فتاوے بھی پیش کئے گئے ہیں۔ جو مثل کیساتھ شامل ہیں۔ اور سید انور شاہ صاحب گواہ نے مصر اور شام کے دو مطبوعہ فتووں کا حوالہ بھی اپنے بیان میں دیا ہے۔

تحریری فتوے جو مثل پر لائے گئے ہیں۔ حسب ذیل مقامات کے علماء کے ہیں۔ مکہ معظمہ۔ ریاست رام پور۔ دار الافتاء ریاست بھوپال۔ ہمایون (سندھ) بریلی۔ ڈابھیل دہلی۔ سہارن پور۔ تھانہ بھون۔ ملتان۔ علماء کی فہرست میں شیخ عبد اللہ صاحب رئیس القضاۃ مکہ معظمہ۔ مفتی کفایت اللہ صاحب صدر جمعیۃ العلماء ہند اور مولوی اشرف علی صاحب کے اسماء بھی ہیں۔

فریق ثانی کیطرف سے ان دلائل کا جو مرزا صاحب کی تکفیر کے متعلق مدعیہ کیطرف سے پیش کئے گئے ہیں۔ تین طریق پر جواب دیا گیا ہے۔

اوّل یہ کہ مرزا صاحب کی جن عبارات سے یہ دکھلایا گیا ہے کہ اُن سے ان کے عقاید کفریہ ظاہر ہوتے ہیں۔ ان عبارات کے ماسبق اور مابعد کی عبارات کو مدنظر نہیں رکھا گیا۔ اور نہ ہی سیاق سباق عبارت کو زیر غور لایا گیا ہے۔ اگر ان امور کو مدنظر رکھتے ہوئے ان

عبارات پر غور کیجاوے۔ تو ان سے وہ نتائج اخذ نہیں ہوتے۔ جو گواہان مدعیہ نے بیان کئے ہیں۔

دوسرا یہ کہ مرزا صاحب نے خود دیگر مقامات پر ان عبارات کی تشریح کر دی ہے۔ اسلئے ان عبارات سے وہی مفہوم لیا جائیگا۔ جو انہوں نے خود بیان کیا۔ اور کہ دیگر مقامات پر ایسی عبارات بھی موجود ہیں۔ کہ جن کو مدنظر رکھتے ہوئے نہیں کہا جاسکتا۔ کہ ان عبارات زیر اعتراض سے مرزا صاحب کا وہی مدعا تھا۔ جو گواہان مدعیہ نے اخذ کیا۔

تیسرا یہ کہ مرزا صاحب کے اقوال زیر بحث میں سے بعض اقوال ایسے ہیں۔ جو دیگر بزرگان دین سے بھی سرزد ہوئے۔ لیکن فریق مدعیہ کے نزدیک وہ بزرگان مسلمان تھے۔ اسلئے ان اقوال کی بنا پر مرزا صاحب کے خلاف کیونکر فتوے تکفیر لگایا جاسکتا ہے۔ یہ تمام امور تشریح طلب ہیں۔ اور اپنے اپنے موقعہ پر ان کی تفصیل بیان کیجائے گی اور وہاں ان کا پورا جواب بھی دیا جائیگا۔ یہاں ان کے متعلق مختصراً یہ درج کیا جاتا ہے۔ کہ عبارات زیر بحث میں سے بعض ایسی ہیں۔ کہ جو اپنے اندر ایک مستقل مفہوم لئے ہوئے ہیں۔ اور ان میں کوئی ایسا ابہام نہیں ہے۔ کہ جو کسی تشریح یا توجیہہ کا محتاج ہو۔ اس لئے ایسی عبارات کے نہ ماسبق اور مابعد دیکھنے کیضرورت ہے۔ اور نہ سیاق سباق معلوم کرنیکی۔ لہذا ان فقرات کی اپنی ترتیب سے ہی جو مفہوم اخذ ہوگا وہی مراد لیا جائیگا۔

امر دوم کے متعلق اول تو مرزا صاحب کی کتابوں کے مطالعہ سے یہ پایا جاتا ہے کہ ان کے بہت سے اقوال میں تعارض ہے اور اس تعارض کو کسی صاف تشریح یا وضاحت سے رفع نہیں کیا گیا۔ دوسرا جیسا کہ اوپر درج کیا گیا ہے۔ بعض عبارات فی نفسہ ایسے مستقل جملے ہیں۔ کہ جو اپنے مفہوم کی خود وضاحت کر رہے ہیں۔ اسلئے تاوقتیکہ یہ نہ دکھلایا جاوے۔ کہ یہ کلمات واپس لئے گئے۔ دیگر کلمات نہ ان کے قائمقام تصور ہو سکتے ہیں۔ اور نہ ان کی تشریح بن سکتے ہیں۔ اس لئے یہ کہنا غلط ہے۔ کہ ان اقوال کو ان اقوال کے تحت سمجھا جاوے۔ جو مرزا صاحب نے

دوسری جگہ بیان کئے ہیں۔ کیونکہ وہ اقوال زیر بحث کو مستردنہیں کرتے۔ بلکہ جیسا کہ مدعیہ کے گواہ سید انور شاہ صاحب نے بیان کیا ہے۔ معلوم یہ ہوتا ہے۔ کہ یہ روش مرزا صاحب نے عمداً اختیار کی۔ تاکہ نتیجہ گربزر ہے اور ان کو بوقت ضرورت مخلص اور مفر باقی رہے۔

امر سوم کے متعلق اول تو ان بزرگان کے اقوال بعینہٖ ان الفاظ میں نہیں۔ جو مرزا صاحب نے بیان کئے ہیں۔ دوسرا مقدمہ ہذا میں ان بزرگان کے مسلمان یا نہ مسلمان ہونیکا سوال زیر بحث نہیں ہے۔ اور نہ ہی ان کے دیگر حالات پیش نظر ہیں۔ اس لئے مرزا صاحب کے مقابلہ میں ان کے الفاظ پیش کرنا ایک سعی لاحاصل ہے۔

علاوہ ازیں سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ نے یہ بیان کیا ہے۔ کہ صوفیا کے ہاں ایک باب ہے۔ جس کو شطحیات کہتے ہیں۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ ان پر حالات گذرتے ہیں۔ اور ان حالات میں کوئی کلمات اُن کے مُنہ سے نکلجاتے ہیں۔ جو ظاہری قواعد پر چسپاں نہیں ہوتے۔ اور اکثر اوقات غلط راستہ لینے کا سبب ہو جاتے ہیں۔ صوفیاء کی تصریح ہے۔ کہ ان پر کوئی عمل پیرا نہ ہو۔ اور تصریح یہ بھی کرتے ہیں۔ کہ جس پر یہ احوال نہ گذرے ہوں۔ وہ ہماری کتاب کا مطالعہ نہ کرے۔ بغلا ہم بھی یہ سمجھتے ہیں۔ کہ کوئی شخص جو کسی حال کا مالک ہوتا ہے۔ دوسرا خالی آدمی ضرور اس سے اُلجھ جائیگا۔ لیکن دین میں کسی زیادتی۔ کمی کے صُوفیا میں سے بھی کوئی قابل نہیں۔ اور ایسے مدعی کو کافر بالاتفاق کہتے ہیں۔

فریق ثانی کیطرف سے مرزا صاحب کی کتابوں سے اِن کے چند عقائد بیان کئے جا کر یہ ظاہر کیا گیا ہے۔ کہ قرآن مجید اور احادیث و فقہ کی رُو سے جن باتوں کو ایک شخص کے مومن اور مسلمان ہونے کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے۔ وہ سب مرزا صاحب میں اور انکی جماعت میں پائی جاتی ہیں۔ اور وہ اِن سب پر خلوص دل اور صمیم قلب سے یقین اور اعتقاد رکھتے ہیں۔ اور جن اعمال صالحہ کے بجالانیکا حکم دیا گیا ہے۔ وہ سب بجالاتے ہیں۔ اور

ان کا دین وہی ہے۔ جو آنحضرت صلعم خدا کی طرف سے لائے۔ اور وہ ایمان رکھتے ہیں۔ کہ دین اسلام کے سوا اگر کوئی شخص کوئی اور دین اختیار کرے۔ تو وہ عند اللہ ہرگز مقبول نہیں۔ گو اہل مدینہ نے انہیں کافر مرتد۔ ضال اور خارج از اسلام قرار دیا ہے اور ضروریات دین کا منکر ٹھیرایا ہے۔ لیکن جن امور کی بناء پر انہوں نے کافر اور مرتد کہا ان کا ضروریات دین سے ہونا قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے ثابت نہیں کیا۔ بلکہ انہوں نے اپنے فتوے تکفیر کی بنا بعض علماء کے اقوال پر رکھی ہے۔ اور اس ضمن میں ان علماء کے طرز افتاء پر اعتراض کرتے ہوئے چند کتب فقہ کے حوالوں سے یہ دکھلایا گیا ہے۔ کہ اگر ان امور کو جو ان حوالہ جات میں درج ہیں۔ مدنظر رکھا جاوے۔ تو اس سے بڑے بڑے بزرگ اور تمام شیعہ اور وہ نئے تعلیم یافتہ نوجوان جو یہ کہتے سُنے جاتے ہیں۔ کہ اگر جنت میں اُن موجودہ مولویوں نے بھی جانا ہے۔ تو ہمیں ایسی جنت نہیں چاہیئے۔ اور وہ تمام مسلمان جو سرکاری دفتروں میں ملازم ہیں اور اپنے ہندو یا عیسائی افسران کو تحائف دیتے ہیں کافر ہیں۔ اور ان عورتوں کے لئے جو اپنی خاوندوں کی بدسلوکی سے تنگ ہیں اور ان کے عقد نکاح سے نکلنا چاہتی ہیں۔ یہ اچھی ترکیب بتلائی گئی ہے۔ کہ اگر ان میں سے کوئی عورت یہ کہدے کہ میں کافر ہوئی ہوں تو فوراً کافر ہو جائے گی۔ اور اس کا نکاح فسخ ہو جائیگا۔ اور وہ تمام مسلمان جو گاندھی ٹوپی یا ہیٹ لگاتے ہیں۔ کافر ہیں۔ اور اسطرح وہ مسلمان بھی جو ہندو اور انگریز افسروں کو سلام کرتے ہیں۔ اور اسطرح سکول اور کالجوں کے وہ مسلمان طلباء جو اپنے ہندو یا عیسائی استادوں کو تعظیماً سلام کرتے ہیں۔ اور اسطرح ہزارہا وہ تعلیم یافتہ اشخاص جو مولویوں کی دقیانوسی باتوں پر جنہیں یہ لوگ۔ علم اور دین خیال کرتے ہیں۔ ہنستے ہیں کافر ہیں۔ اور اسطرح وہ مسلمان جو کسی غیر مسلم کو اس کے سوال کرنے پر کہ مجھے اسلام کی صداقت بیان کر کسی مولوی کے پاس برائے جواب لیجاتے ہیں کافر ہیں وغیرہ وغیرہ

پس اگر ان علماء اور مولویوں کے کہنے پر کسی کو کافر بنایا جا سکتا ہے تو مذکورہ بالا امور کے

تحت تمام ایسے مسلمان جو اُوپر بیان کئے گئے ہیں۔ کافر ہیں۔ اور ان کا نکاح فسخ ہونا چاہیئے۔
لیکن اصول مذکورہ بالا پر علماء کا موجودہ زمانہ میں عمل نہیں ہے۔ اور ان امور کو جو ان حوالہ جات
میں درج ہیں۔ ضروریات دین میں سے سمجھا گیا ہے۔ اور ان کے منکر کو کافر اور مرتد کہا گیا ہے
اس کے بعد یہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ گواہان مُدعیہ نے اپنے بیانات کی تائید میں چند مفسرین کے اقوال
نقل کئے ہیں۔ لیکن یہ بہت بڑی غلطی ہے۔ کہ مفسرین کے اقوال کو بلا سوچے سمجھے من وعن تسلیم
کر لیا جاوے۔ اور جو کچھ وہ اپنے خیال و عقیدہ کے مطابق لکھ گئے۔ اُسے حرف بحرف مان لیا
جاوے۔ اس لئے ہمیں حسب تعلیم قرآن مجید ضروری ہوا۔ کہ ہم خود بھی قرآن مجید کی آیات میں
غور و تدبر کریں۔ اور تحقیق کے بعد جو اقرب الی الصواب ہو۔ اس کو اختیار کریں۔ پس مفسرین کے اقوال پر
عقائد کی بنیاد رکھنا صحیح نہیں ہے۔ علماء اور ائمہ کی اندھی تقلید نہایت مذموم ہے۔ پس یہ ضروری
نہیں۔ کہ پہلے علماء جو کچھ تفسیروں میں لکھ گئے ہم آنکھ بند کر کے ان پر ایمان لے آویں۔ بلکہ ہمارا
فرض ہے۔ کہ ہم ان کے فتووں اور اقوال کو کتاب اللہ۔ سنت رسول اللہ صلعم اور عقل سلیم کی
کسوٹی پر پرکھیں۔ اور جو قرآن اور سنت سے صحیح ثابت ہو اُسے اختیار کریں۔ اور مخالف کو چھوڑ
دیں۔ اور اُمت کے اُن علماء کے متعلق ہمارا مذہب یہ ہے۔ کہ انہوں نے اپنی نیک نیتی سے
جو باتیں موافق اور مخالف پائیں۔ یا جو وہ سمجھ سکے وہ ہم تک پہنچا دیں۔ جس کے لئے وہ تمام
ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں۔

اس کے آگے پھر وجوہات تکفیر کا جواب شروع ہو جاتا ہے۔ اس لئے تحت میں اس
بحث کا جواب درج کیا جاتا ہے۔

مرزا صاحب کے عقائد کے متعلق سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ نے نہایت عمدہ جواب دیا ہے
وہ کہتے ہیں۔ کہ مرزا صاحب چونکہ مادر زاد کافر نہ تھے۔ اور ابتداء ان کی تمام اسلامی عقائد پر
نشوونما ہوئی۔ اس لئے انہی کے وہ پابند تھے۔ اور وہی کہے پھر تدریجاً ان سے الگ ہونا
شروع ہوا۔ یہاں تک کہ آخری اقوال میں بہت سی ضروریات دین کے قطعاً مخالف ہو گئے

دوسرا یہ کہ انہوں نے باطل اور جھوٹ دعووں کو رواج دینے کے لئے یہ تدبیر اختیار کی کہ اسلامی عقائد کے الفاظ وہی قائم رکھے جو قرآن اور حدیث میں مذکور ہیں۔ اور عام و خاص مسلمانوں کی زبانوں پر جاری ہیں۔ لیکن ان کے حقائق کو ایسا بدل دیا۔ جس سے بالکل ان عقائد کا انکار ہو گیا۔ اسلئے مرزا صاحب کی کتابوں سے ایسے اقوال چُن کر جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بعض عقائد میں اہلسنت والجماعت کیساتھ شریک ہیں۔ ان کے اقوال و افعال کفریہ کا کفارہ نہیں بن سکتے۔ جبتک اس کی تصریح نہ ہو۔ کہ ان عقائد کی مُراد بھی وہی ہے۔ جو جمہور اُمّت نے سمجھی۔ اور پھر اس کی تصریح نہ ہو۔ کہ جو عقائد کفریہ انہوں نے اختیار کئے تھے۔ اُن سے توبہ کر چکے ہیں۔ اور جبتک توبہ کی تصریح نہ ہو۔ چند عقائد اسلام کے الفاظ کتابوں میں لکھکر کُفر سے نہیں بچ سکتے۔ کیونکہ زندیق اُس کو کہا جاتا ہے۔ کہ جو عقائد اسلام ظاہر کرے اور قرآن و حدیث کے اتباع کا دعوے کرے لیکن اس کی ایسی تاویل اور تحریف کر دے جن سے اس کے حقائق بدل جائیں۔ اس لئے جب تک اس کی تصریح نہ دکھلائی جاوے کہ مرزا صاحب ختم نبوت اور انقطاع وحی کے ان معنے کے لحاظ سے قائل ہیں۔ جس معنے سے کہ صحابہ۔ تابعین۔ اور تمام اُمّت محمدیہ قائل ہے۔ اسوقت تک اُن کی کسی ایسی عبارت کا مقابلہ میں پیش کرنا مُفید نہیں ہو سکتا جس میں خاتم النبیین کے الفاظ کا اقرار کیا ہو۔ اسیطرح نزول مسیح وغیرہ عقائد کے الفاظ کا کسیجگہ اقرار کر لینا یا لکھہ دینا بغیر تصریح مذکور کے ہرگز مُفید نہیں ہے۔ خواہ وہ عبارت تصنیف میں مقدم ہو یا مؤخر۔

یہ بات ثابت ہو چکی۔ کہ مرزا صاحب اپنی آخیر عمر تک دعوے نبوت پر قائم رہے۔ اور اپنے کفریہ عقائد سے کوئی توبہ نہیں کی۔ علاوہ ازیں اگر یہ ثابت بھی نہ ہو۔ تو کلمات کُفریہ اور عقائد کفریہ کہنے اور لکھنے کے بعد اسوقت تک ان کو مسلمان نہیں کہہ سکتے۔ جبتک ان کی طرف سے ان عقائد سے توبہ کرنیکا اعلان نہ پایا جاوے۔ اور یہ اعلان اُن کی کسی کتاب یا تحریر سے ثابت نہیں پایا گیا۔

عدالت ہذا کی رائے میں مرزا صاحب کے عقائد کی بابت یہ جواب بہت جامع اور مدلل ہے اور گو کہ مختار مدعیہ نے اپنی بحث میں ان کے ہر ایک عقیدہ پر تفصیلی بحث بھی کی ہے۔ لیکن اس کی موجودگی میں ان عقائد پر مزید کسی بحث کی ضرورت نہیں رہتی۔ مختار مدعیہ نے یہ بحث کی ہے۔ کہ مرزا صاحب کا خود کلمہ طیبہ پر بھی پورا ایمان نہ تھا۔ کیونکہ اس کلمہ پر اس صورت میں ہی مکمل ایمان تصور ہو سکتا ہے۔ جبکہ خداوند تعالےٰ کی صفات اور رسول اللہ صلعم کی خصوصیات پر پورا ایمان ہو۔ مرزا صاحب کے بعض اقوال سے یہ پایا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے اندر الوہیت کو موجزن پایا۔ اور اپنے آپ میں خدائی طاقتیں اور صفتیں موجود دیکھیں اور وہ اپنے آپ کو رسول اللہ صلعم کی خصوصیات اور مدارج میں شریک بتلاتے ہیں۔ اور انہیں خاتم النبیین بمعنی آخری نبی تسلیم نہیں کرتے۔ اس لئے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کلمہ طیبہ پر انہیں لوازم کے تحت ایمان رکھتے ہیں۔ جیسا کہ دیگر مسلمان۔ اس لئے بھی انہیں مسلمان تصور نہیں کیا جا سکتا۔

لیکن عدالت ہذا کی رائے میں ایسی تفصیلی بحث میں جانیکی ضرورت نہیں۔ کیونکہ مرزا صاحب کی تکفیر کا سوال مقدمہ ہذا میں اصل سوال مابہ النزاع نہیں بلکہ ایک ضمنی سوال ہے۔ اصل سوال مدعاعلیہ کے ارتداد اور تکفیر کا ہے۔ اس لئے مرزا صاحب کے اعتقادات کے متعلق صرف اس حد تک بحث کی ضرورت ہے۔ جس حد تک کہ مدعاعلیہ کے خلاف امور مذکورہ بالا کے تصفیہ کے لئے روشنی پڑ سکتی ہے۔

علاوہ ازیں اگر اس بحث کو بفرض محال صحیح بھی تسلیم کر لیا جاوے۔ تو پھر یہ دکھلانا پڑے گا کہ مدعاعلیہ کا کلمہ طیبہ پر بھی ویسا ہی ایمان ہے جیسا کہ مرزا صاحب کا اور اس کا حل مشکلات سے خالی نہیں ہوگا۔ کیونکہ مدعاعلیہ کی نیت کا اندازہ پورے طور نہیں لگایا جا سکتا۔

مدعاعلیہ کیطرف سے یہ کہا گیا ہے کہ جن امور کی بناء پر مرزا صاحب اور ان کی جماعت کو ضروریات دین کا منکر قرار دیا جا کر کافر اور مرتد کہا گیا ہے۔ ان کا ضروریاتِ دین سے ہونا قرآن مجید

یا احادیث صحیحہ سے ثابت نہیں کیا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مدعا علیہ کیطرف سے یا تو مدعیہ کی پیشکردہ شہادت اور بحث کو بغور ذہن نشین نہیں رکھا گیا۔ یا دیدہ دانستہ مغالطہ پیدا کرنیکی کوشش کیگئی۔ گواہان مدعیہ نے بہت تکرار اور شد و مد کیساتھ اور خود مرزا صاحب کے اپنے حوالوں سے یہ دکھلایا ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم کے خاتم النبین ہونیکا عقیدہ بایں معنے اکہ آپکے بعد کوئی نیا نبی نہیں آسکتا نص قرآن سے اور احادیث متواترہ سے اور اجماع اُمت سے ضروریات دین سے ہے۔ اور اِس کا انکار کفر ہے۔ اور اسکی تائید میں انہوں نے بہت سی آیات قرآن اور احادیث پیش کی ہیں۔ کہ جن میں سے بعض کی صحت کے متعلق جیسا کہ آگے دکھلایا جائیگا۔ خود مدعا علیہ کو بھی انکار نہیں۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ کیونکر یہ کہا گیا ہے کہ انہوں نے قرآن یا حدیث سے اِس کا کوئی ثبوت پیش نہیں کیا۔ البتہ اگر یہ کہا جاتا۔ کہ وہ ثبوت قوی نہیں۔ تو تو کچھ بات بھی تھی۔ لیکن یہ کہنا بالکل خلاف واقعہ ہے۔ کہ ان کی طرف سے قرآن اور احادیث سے کوئی ثبوت پیش نہیں کیا گیا۔ مدعیہ کیطرف سے بیان کردہ وجوہات تکفیر اُوپر درج کیجا چکی ہیں۔ ممکن ہے کہ اُن میں سے بعض کے متعلق (گو کہ ایسا نہیں ہے جیسا کہ آگے دکھلایا جائیگا) یہ کہا جا سکے۔ کہ وہ ضروریات دین میں سے نہیں ہیں مگر مسئلہ ختم نبوۃ کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ وہ ضروریات دین میں سے نہیں۔ ضروریات دین کی اگرچہ ایک وسیع اصطلاح ہے۔ اور ممکن ہے کہ بعض علماء نے اس کے تحت میں اپنی دانست کے مطابق بہت سے ایسے اُمور بھی داخل کر دیئے ہوں۔ کہ جو بحث طلب ہوں۔ تاہم اِس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ ختم نبوت کا مسئلہ اسلام کے اہم اور بنیادی مسائل سے ہے۔ ضروریاتِ دین کا مفہوم گواہانِ مدعیہ نے اپنے بیانات میں ظاہر کر دیا ہے۔ جو اُوپر گذر چکا۔ اگر اِس اصطلاح کے لفظی معنے بھی مُراد لئے جاویں۔ تو اُن الفاظ کا یہ مطلب ہوسکتا ہے۔ کہ وہ امور جو کسی دین میں داخل رہنے کے لئے ضروری ہوں۔ اور جن کے نہ ماننے سے وہ شخص اس دین کا پیرو نہ سمجھا جا سکے۔ ضروریات دین سے ہوتے ہیں۔ رسول اللہ

صلعم کا خاتم النبیین ماننا بایں معنے کہ آپ آخری نبی ہیں۔ مذہب اسلام میں داخل رہنے کیلئے ضروری اور لابدی ہے۔ کیونکہ آپ کے بعد اگر کوئی اور نبی مانا جائے۔ تو مذہب اور اُس کے گواہان کے نزدیک نہ یہ صرف نص قرآن اور احادیث متواترہ کا انکار ہو گا۔ بلکہ معمول بہ اس نئے نبی کی وحی ہو جائے گی۔ نہ کہ قرآن اور اُس سے وہ شخص مذہب اسلام سے خارج ہو جائے گا۔ اور یہ بات کہ رسول اللہ صلعم کا آخری نبی ماننا نہ صرف مسلمانوں کے نزدیک انکی مذہب کے بنیادی مسائل میں سے ہے۔ بلکہ اس کی نظیر دیگر مذاہب میں بھی ملتی ہے مثلاً یہود اور نصاریٰ۔ جن کے مذاہب کی تفریق محض اس بنا پر ہے۔ کہ وہ اپنے اپنے پیشواؤں کے بعد اور کسی نبی کو تسلیم نہیں کرتے۔ اس طرح مسلمانوں کا یہ عقیدہ چلا آیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم کے بعد اور کوئی نبی نہیں۔ اب اگر کوئی مسلمان کسی اور کو نبی مانے۔ تو وہ مذہب اسلام کا پیرو نہیں سمجھا جائیگا۔ اس لئے ختم نبوت سے بڑھکر اور کونسا مسئلہ ضروریات دین میں سے ہو سکتا ہے۔ یہ آگے دکھلایا جائے گا۔ کہ اس بارہ میں جو اسناد پیش کیگئی ہیں وہ کس فریق کی معتبر اور زیادہ وزن دار ہیں۔

یہاں میں یہ درج کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ کہ موجودہ زمانہ میں بہت سے مسلمان نبی کی حقیقت سے بھی ناآشنا ہیں۔ اس لئے بھی ان کے دلوں میں یہ مسئلہ گھر نہیں کر سکتا۔ کہ مرزا صاحب کو نبی ماننے میں کیا قباحت ہوتی ہے۔ کہ جس پر اسقدر چیخ و پکار کی جا رہی ہے اسلئے ضروری ہے۔ کہ اس کی کچھ تھوڑی سی حقیقت بیان کر دیجاوے۔

مدعیہ کیطرف سے نبی کی کوئی تعریف بیان نہیں کیگئی۔ صرف یہ کہا گیا ہے کہ نبوت ایک عہدہ ہے جو اللہ تعالیٰ کیطرف سے اُس کے برگزیدہ بندوں کو عطا کیا جاتا رہا ہے۔ اور نبی اور رسول میں یہ فرق بیان کیا گیا ہے کہ ہر رسول نبی ہوتا ہے اور نبی کیلئے یہ لازمی نہیں کہ وہ رسول بھی ہو۔ فریق ثانی نے بحوالہ نبراس صفحہ ۸۹ بیان کیا ہے کہ رسول ایک انسان ہے جسے اللہ تعالیٰ احکام شریعت کی تبلیغ کیلئے بھیجتا ہے بخلاف نبی کے کہ وہ عام ہے کتاب لائے یا نہ لائے۔ رسول کے لئے کتاب کا لانا شرط ہے۔ اسیطرح رسول کی ایک

تعریف یہ بھی کی گئی ہے۔ کہ رسول وہ ہوتا ہے کہ جو صاحب کتاب ہو۔ یا شریعت سابقہ کے بعض احکام کو منسوخ کرے۔

یہ تعریفیں چونکہ اِس حقیقت کے اظہار کے لئے کافی نہ تھیں۔ اس لئے میں اِس جستجو میں رہا۔ کہ نبی یا رسول کی کوئی ایسی تعریف ملجائے جو تصریحاتِ قرآن کی رُو سے تمام لوازمِ نبوت پر حاوی ہو۔ اِس سلسلہ میں مجھے مولٰنا محمود علی صاحب پروفیسر رندھیر کالج کی کتاب دین و آئین دیکھنے کا موقعہ ملا۔ انہوں نے معترضین کے خیالات کو مدنظر رکھتے ہوئے نبوت کی حقیقت یہ بیان کی۔ کہ جس شخص کے دل میں کوئی نیک تجویز بغیر ظاہری وسائل اور غور کے پیدا ہوں۔ ایسا شخص پیغمبر کہلاتا ہے۔ اور اُس کے خیالات کو وحی سمجھا جاتا ہے۔ لیکن یہ تعریف بھی مجھے دلچسپ معلوم نہ ہوئی۔ آخر کار ایک رسالہ میں ایک مضمون بعنوان میکانکی اسلام از جناب چودھری غلام احمد صاحب پرویز میری نظر سے گذرا۔ اِس میں انہوں نے مذہب اِسلام کے متعلق آجکل کے روشنضمیر طبقہ کے خیالات کی ترجمانی کی ہے۔ اور پھر خود ہی اُس کے حقائق بیان کئے ہیں۔ اِس سلسلہ میں نبوت کی جو حقیقت انہوں نے بیان کی ہے۔ میری رائے میں اِس سے بہتر اور کوئی بیان نہیں کیجا سکتی۔ اور میرے خیال میں فریقین میں سے کسی کو اِس پر انکار بھی نہیں ہوسکتا۔ اِس لئے میں ان کے الفاظ میں ہی اِس حقیقت کو بیان کرتا ہوں۔ وہ لکھتے ہیں۔ کہ

آجکل کے معقولیت پسندوں کی جماعت کے نزدیک رسول کا تصور یہ ہے کہ وہ ایک سیاسی لیڈر اور ایک مصلح قوم ہوتا ہے۔ جو اپنی قوم کی نکبت اور زبوں حالی سے متاثر ہوکر انہیں فلاح و بہبود کیطرف بلاتا ہے۔ اور تھوڑے ہی دنوں میں ان کے اندر انضباط و ایثار کی رُوح پھونک کر زمین کے بہترین خطوں کا ان کو مالک بنا دیتا ہے۔ اس کی حقیقت قوم کے ایک امیر کے قسم کی ہوتی ہے۔ جن کے ہر حکم کا اتباع اِس لئے لازمی ہوتا ہے کہ انحراف سے قوم کی اجتماعی قوت میں انتشار پیدا ہو جانیکا خطرہ ہوتا ہے۔ اور وہ

دنیاوی نعمتیں جو اس کے حسن تدبیر سے حاصل ہوئی تھیں۔ ان کے چھن جانے کا احتمال ہوتا ہے۔

اس کا حسن تدبر۔ عقل، حکمت ذہنی انسان کے ارتقاع کی بہترین کڑی ہوتا ہے۔ اس لئے وہ اپنے ماحول کا بہترین مفکر شمار کیا جاتا ہے۔ کثرت ریاضت سے برائی کی قوتیں اس سے سلب ہو جاتی ہیں۔ اور نیکی کی قوتیں نمایاں طور پر ابھر آتی ہیں۔ انہیں قوتوں کا نام ان کے نزدیک ابلیس اور ملائکہ ہے۔ اس کا جواب پھر انہوں نے بحوالہ آیات قرآنی یہ دیا ہے۔

کہ رسول بلاشبہ مصلح اور مدبر ملت ہوتا ہے۔ لیکن اس کی حقیقت دنیاوی مصلحین اور مدبرین سے بالکل جداگانہ ہوتی ہے۔ دنیاوی مفکرین و مدبرین اپنے ماحول کی پیداوار ہوتے ہیں۔ اور ان کا فلسفہ اصلاح و بہبود ان کی اپنی پرواز فکر کا نتیجہ ہوتا ہے۔ جو کبھی صحیح اور کبھی غلط ہوتا ہے۔ برعکس اس کے انبیاء کرام مامور من اللہ ہوتے ہیں۔ اور ان کا سلسلہ اس دنیا میں خاص مشیت باریتعالٰے کے ماتحت چلتا ہے۔ وہ نہ اپنے ماحول سے متاثر اور نہ احوال و ظروف کی پیداوار ہوتے ہیں۔ بلکہ ان کا انتخاب مملکت ایزدی سے ہوتا ہے۔ اور ان کا سرچشمہ علوم و ہدایت علم باریتعالٰے سے ہوتا ہے۔ جس میں کسی سہو و خطا کی گنجائش نہیں۔ ان کا سینہ علم لدنی سے معمور اور ان کا قلب تجلیات نور ازلی سے منور ہوتا ہے۔

دنیاوی سیاست و تفکر صفت ہے۔ جو اکتساباً حاصل ہوتی ہے۔ اور مشق و مہارت سے یہ ملکہ بڑھتا ہے۔ لیکن نبوت ایک موہبت ربانی اور عطائے یزدانی ہے۔ جس میں کسب و مشق کو کچھ دخل نہیں۔ قوم وامت کی ترقی ان کے بھی پیش نظر ہوتی ہے۔ لیکن سب سے مقدم اخلاق انسانی کی اصلاح مقصود ہوتی ہے۔ اس کا پیغام زمان و مکان کی قیود سے بالا ہوتا ہے۔ اور وہ تمام انسانوں کو راستہ دکھلانیوالا اور ان کا مطاع ہوتا ہے

اس کی اطاعت میں خدا کی اطاعت اور اس کی معصیت خدا کی معصیت ہے۔ اور جو لائحہ حیات اس کی وساطت سے دنیا کو ملتا ہے۔ اس میں کوئی دنیاوی طاقت رد و بدل نہیں کر سکتی۔ بلکہ دنیا بھر کی مقول میں جہاں کہیں اختلاف ہو۔ اس کا فیصلہ بھی اسکی مشعل ہدایت سے ہو سکتا ہے۔ ان کو خدائی پیغام ملائکہ کی وساطت سے ملتے ہیں۔ جو اگرچہ عالم امر سے متعلق ہونیکی وجہ سے سرحد ادراک انسانی سے بالاتر ہیں۔ لیکن ان کا وجود محض انسان کی ملکوتی قوتیں نہیں ہیں۔

اس حقیقت کو ذہن نشین رکھنے کے بعد یہ بات آسانی سے سمجھ آسکتی ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم کے بعد کسی دوسرے نبی کو تسلیم کرنیسے کیا قباحت لازم آئیگی۔ تصریحات قرآنی کی رو سے نیا نبی مطاع ہو جائیگا۔ اس سے اختلاف نہیں کیا جا سکیگا۔ اس کی ہر بات کے آگے سر تسلیم خم کرنا پڑے گا۔ وہ جو حکم دیگا۔ اس کی تعمیل لازمی ہوگی۔ ورنہ اعمال کے حبط ہونیکا اندیشہ ہوگا۔ اس کی شان میں ذرا بھر گستاخی نہیں کیجا سکے گی۔ بلکہ اس کے سامنے اونچا بولنا بھی گناہ ہوگا۔ اس کی اطاعت عین خدا کی اطاعت ہوگی۔ اور اس سے روگردانی ایمان سے خارج ہونیکا باعث اور موجب عذاب الٰہی ہوگی۔

اس لئے مدعیہ کیطرف سے بحوالہ آیات قرآنی واحادیث یہ کہا گیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم کے بعد اور کوئی نیا نبی نہیں ہو سکتا۔ اور اگر کوئی مسلمان کسی اور شخص کو نبی مانے تو دائرہ اسلام میں داخل نہیں رہ سکتا۔ مدعا علیہ کیطرف سے کتب فقہ سے جن عبارات کا حوالہ دیا جا کر علماء کے طرز افتاد پر اعتراض کیا گیا ہے۔ ان کے متعلق ایک تو خود مدعا علیہ کے اپنے گواہان کا بیان ہے۔ کہ فی زمانہ اُن پر علماء کا عمل نہیں۔ دوسرا مدعیہ کیطرف سے ان حوالہ جات کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ کلمات کفر ہیں۔ نہ کہ فتاوائے تکفیر۔ کلمہ کفر اور چیز ہے اور فتوے کفر اور چیز کسی شخص پر ان کلمات کی بناء پر محض ان الفاظ کے استعمال سے ہی فتوے نہیں لگا دیا جائیگا۔ بلکہ فتوے ان اصولوں کے تحت لگایا جائیگا۔ جو اس غرض کے لئے مجوز ہیں۔

عدالت ہذا کی رائے میں مدعیہ کا یہ جواب وزن رکھتا ہے۔ علاوہ ازیں علماء کے اقوال سند کے لحاظ سے وہ حیثیت نہیں رکھتے جو متواترات کی بیان کی گئی ہے۔ کلمات زیر بحث کو ریکارڈ پر لانے اور اپنے خیال کے مطابق ان کی تشریح کرنے سے گو ان مدعا علیہ کا منشا رسول اس کے اور کوئی معلوم نہیں ہوتا۔ کہ مسئلہ زیر بحث کی نوعیت اور اہمیت کو خفیف کرکے دکھلایا جاوے۔ حالانکہ مسئلہ ختم نبوت کا ان مسائل سے کوئی تعلق نہیں۔ جن پر اعتراض کیا گیا ہے۔

اور غالباً وہ یہ چاہتے ہیں۔ کہ عام لوگوں کے دلوں میں علماء کے متعلق ایک حقارت پیدا کیجاکر ان کے طرز افتاء کی مذمت ظاہر کیجاوے۔ اور ہر فرقہ اور ہر طبقہ کے لوگوں کے جذبات ان کے خلاف اُبھارے جاویں۔ اور موجودہ زمانہ کے روشن خیال طبقہ کی جو اپنے آپ کو ہر اصلاح کا علمبردار سمجھتا ہے۔ ہمدردی حاصل کیجاوے۔

مذہب کے متعلق فی زمانہ جو بے اعتنائی برتی جارہی ہے۔ وہ محتاج بیان نہیں۔ قرآن مجید کے نزول کے زمانہ میں جو لوگ اس پر ایمان نہیں لاتے تھے۔ وہ اُسے اضغاث احلام اور اساطیر الاولین کہا کرتے تھے۔ موجودہ زمانہ میں جو لوگ کہ مذہب کا جوا اپنی گردن سے نہیں نکال پھینکنا چاہتے۔ وہ گو ان الفاظ کو اپنے مُنہ سے نکالنے کی تو جرات نہیں کرتے لیکن حقائق و معارف قرآنی پر اپنے دل میں پورا یقین نہیں رکھتے۔ اور بقول مولنا محمود علیصاحب یہ کہتے ہوئے سُنے جاتے ہیں۔ کہ اسلام میں زمانہ کیساتھ چلنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ اور انقلاب حالات سے جو جدید ضرورتیں پیدا ہوتی ہیں۔ اور جن کی وجہ سے اقوام عالم کو اپنی طرز وروش میں تغیر و تبدل کرنا پڑتا ہے۔ اسلام ایسے انقلابوں کے اندر اپنی روش کو بدل کر دوسری روش پر چلنے کی قابلیت نہیں رکھتا۔ اور اس کے ماننے والے اپنے حالات کے اندر کوئی اصلاح یا ترمیم نہیں کر سکتے۔ اور کسی تہذیب جدید کا ساتھ نہیں دے سکتے۔

ان کے اس اعتراض کا جواب تو مولنا صاحب موصوف نے اپنی کتاب دین دائن

میں دیدیا ہے۔ مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں۔ یہاں صرف یہ دکھلانا مقصود تھا۔ کہ اس قسم کے خیالات آجکل عام ہیں اور چونکہ فریق مدعا علیہ کے بیان کردہ اصولوں کے مطابق اِس طبقہ کے خیالات کی رُو سے اسلام میں اصلاح کرنیکی کافی وسعت ہے۔ اِس لئے مدعا علیہ کیطرف سے علماء کے خلاف بدظنی پیدا کیجا کر اس طبقہ کے دل میں انکے خلاف حقارت اور نفرت پیدا کرنیکی سعی کیگئی ہے اور یہ کوشش کیگئی ہے کہ اس مقدمہ میں مدعیہ کیطرف سے جو علماء پیش ہوئے ہیں انہیں دقیانوسی خیالات کا پیرو اور مرض تکفیر میں مبتلا دکھلایا جا کر انکی بیان کردہ وجوہاتِ تکفیر کو تمسخر میں اڑا دیا جاوے۔ اور یہ دکھلایا جاوے کہ انکی بیان کردہ وجوہاتِ تکفیر کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔ اور انہوں نے محض اِس وجہ سے کہ جماعت احمدیہ کے اصول چونکہ صلاحیت مذہبی کیطرف رجوع دلاتے ہیں۔ اپنی پرانی عادت سے مجبور ہو کر براہِ بغض اور کینہ انہیں کافر کہا ہے۔ ورنہ دراصل ان کا کوئی عقیدہ یا عمل کفر کی حد تک نہیں پہنچتا۔ حالانکہ مسئلہ زیر بحث ایسا نہیں کہ اُسے اِسطرح مذاق میں اڑا دیا جاوے میں یہ نہیں کہتا۔ کہ علماء غلطی نہیں کرتے۔ یا یہ کہ وہ انسانی کمزوریوں سے پاک ہیں۔ لیکن اِس کا یہ مطلب نہیں۔ کہ ان کی کسی رائے کو وقعت کی نگاہ سے نہ دیکھا جاوے۔ اور ان کی کسی بات پر کان نہ دھرا جاوے۔ بلکہ چاہیئے کہ ان کے اقوال پر ٹھنڈے دل سے غور کیجاوے۔ اور یہ دیکھا جاوے۔ کہ وہ کہاں تک راستی پر ہیں مسئلہ ختم نبوۃ کے بارہ میں انہوں نے جو کچھ کہا ہے۔ وہ صداقت سے خالی نہیں۔

مدعا علیہ کیطرف سے کتب تفاسیر کے حوالوں پر جو اعتراض کیا گیا ہے۔ اس کے متعلق صرف یہ کہہ دینا کافی ہے کہ ان حوالوں کو نہ یہاں درج کیا گیا ہے اور نہ ہی اِس فیصلہ کا انحصار ان حوالوں پر رکھا گیا ہے۔ اور سند کے اعتبار سے صرف قرآن مجید اور احادیث کو ہی معیار تصفیہ قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ عمل اِس لئے اختیار کرنا پڑا ہے۔ کہ فریقین کیطرف سے اپنے اپنے ادعا کی تائید میں بیشمار کتابیں جنکی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہے پیش کیگئی ہیں۔ مدعا علیہ نے مدعیہ کی پیشکردہ کتب میں سے کسی کو بھی اپنے اوپر حجت تسلیم نہیں کیا۔ سوائے

مرزا صاحب اور اُن کے خلفاء کی کتابوں کے اور اُسے اپنے اعتقاد کے مطابق ایسا
ہی کرنا چاہیئے تھا۔ کیونکہ جب وہ مرزا صاحب کو نبی مانتا ہے۔ تو اُس کے لئے معمول
بہ مرزا صاحب کی وحی کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ اس کے لئے اُس کا دوسری کتابوں
کو بطور حجت تسلیم نہ کرنا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ باقی قرآن اور احادیث کے متعلق اُس نے
یہ رویہ اختیار کئے۔ رکھا ہے۔ کہ آیاتِ قرآنی کا جو مفہوم مدعیہ کیطرف سے بیان کیا گیا ہے اُسکے
متعلق اُس نے یا تو یہ بیان کیا ہے کہ وہ درست نہیں ہے یا اسکی کوئی اور تاویل کر دی ہے
اور احادیث کے بارہ میں بھی جو حدیث اُس کے مفید مطلب تھی وہ تو لے لی۔ اور جو
اُس کے خلاف تھی۔ اُس کی صحت کے متعلق یا تو اُس نے انکار کر دیا ہے۔ یا اُس کی بھی
کوئی تاویل کر دی ہے۔ اور اُس کا یہ عمل بھی مرزا صاحب کی تعلیم کے خلاف نہیں۔ کیونکہ مرزا
صاحب فرماتے ہیں کہ جو حدیث میری وحی کے معارض ہے وہ ردّی کی ٹوکری میں پھینکنے کے
قابل ہے۔ اِس کے علاوہ مدعا علیہ نے جن دیگر مصنفین کی کتابوں کے حوالے پیش کئے ہیں
ان کے متعلق بھی اسکا یہ ادعا ہے۔ کہ وہ چونکہ مدعیہ کے ہم مذہب اشخاص کی تصنیف شدہ ہیں
اِس لئے اُس نے انہیں مدعیہ کے خلاف بھی بطور حجت پیش کیا ہے۔ اس کے لئے وہ کوئی
حجت نہیں۔ اس لئے ان حوالوں پر بحث کرنی نہ صرف غیر ضروری خیال کی گئی ہے۔ بلکہ
اُسے مشکلات سے بھی خالی نہیں پایا گیا۔ کیونکہ فریقین نے ایک دوسرے کے خلاف
خیانت کے بھی الزام لگائے ہیں۔ اور یہ بھی اعتراض کئے ہیں۔ کہ بعض مصنفین کی کتابیں انہیں
مسلم نہیں ہیں۔ اِس لئے یہ طے کرنے کے لئے کہ کہاں تک خیانت ہوئی۔ اور کس کس مصنف
کی کتاب فریقین کے عقائد کے مطابق ہے۔ اور آیا وہ فریقین کے مسلمات میں سے بھی ہیں یا نہ
اور کہ اُن سے جو نتائج اخذ کئے گئے ہیں۔ وہ درست ہیں یا نہ۔ اور کہ فریقین کو ان کی رائے کا پابند
قرار دیا جا سکتا ہے۔ یا نہ بہت وقت وسیع مطالعہ اور کافی محنت کی ضرورت ہے۔ اور پھر اس سے
نتیجہ کے بھی پورے طور واضح اور عام فہم ہونے کی توقع نہیں۔ اس لئے ایک طرف قرآن مجید

اور احادیث پر اور دوسری طرف مرزا صاحب اور ان کے خلفاء کی کتابوں پر حصر رکھا جا کر دیگر تمام حوالہ جات کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

مدعا علیہ کیطرف سے یہ کہا گیا ہے۔ کہ گواہان مدعیہ کا یہ کہنا کہ ادعا وحی کفر ہے۔ اور اگر کوئی شخص مطلق وحی کا دعوٰے کرے۔ خواہ نبوت کا مدعی بھی ہو۔ تب بھی وہ کافر ہے۔ اور کہ بنی آدم میں وحی پیغمبروں کیساتھ مختص ہے۔ اور غیر کے لئے کشف۔ الہام یا وحی معنوی ہو سکتی ہے۔ درست نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کی آیت وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ...... الخ میں اللہ تعالےٰ نے یہ نہیں فرمایا۔ کہ وہ صرف پیغمبروں کیساتھ ہی۔ ان تین طرق مندرجہ آیت مذکور سے کلام کرتا ہے۔ اور غیر پیغمبروں سے نہیں کرتا۔ بلکہ اس آیت میں بشر کا لفظ رکھا ہے۔ جس میں نبی اور غیر نبی دونوں داخل ہیں۔

سورہ قصص رکوع ۱ آیت وَاَوْحَيْنَا اِلٰى اُمِّ مُوسٰى...... الخ سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اگر وحی صرف پیغمبروں کیساتھ مخصوص ہوتی۔ تو اُم موسٰی پر خدا کیطرف سے یہ وحی نازل نہ ہوتی۔

اسطرح سورہ مریم کی آیت فَاَرْسَلْنَا اِلَيْهَا رُوْحَنَا...... الخ اور آیت وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ...... مَعَ الرّٰكِعِيْنَ۔ وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ...... مُقَرَّبِيْنَ اور سورہ کہف رکوع ۱۱ کی آیت قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ...... حُسْنًا کے حوالہ جات پیش کئے جا کر یہ دکھلایا گیا ہے۔ کہ

۱۔ وحی انبیاء سے مخصوص نہیں۔ بلکہ غیر انبیاء پر بھی وحی ہو سکتی ہے۔ بلکہ ہوتی ہے۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔

۲۔ جن طریقوں سے اللہ تعالےٰ انبیاء علیہم السلام سے کلام کرتا ہے۔ انہی طریقوں سے غیر انبیاء یعنے اولیاء وغیرہ کیساتھ بھی ہمکلام ہوتا ہے۔ جیسا کہ آیت ۱ سے ظاہر ہوتا ہے۔

۳۔ فرشتوں کا نزول انبیاء علیہم السلام سے خاص نہیں۔ بعض اوقات غیر انبیاء پر بھی ایسی وحی

نازل ہو جاتی ہے۔ جس میں امر و نہی ہوتے ہیں۔ اور کہ غیر انبیار کی وحی بھی غیب کی خبروں پر مشتمل ہوتی ہے۔

اس کے آگے مدعاعلیہ کے گواہ کا یہ بیان ہے۔ کہ مدعیہ کے گواہان نے جو یہ کہا ہے۔ کہ آنحضرت صلعم کے بعد کسی پر وحی نہیں ہو سکتی۔ جو اس کا دعوے کرے۔ وہ کافر۔ اُس کی انہوں نے قرآن مجید یا احادیث سے کوئی دلیل پیش نہیں کی۔ ہاں صرف ایک گواہ نے بحوالہ آیت وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ ...... مِنْ قَبْلِکَ پیش کر کے کہا ہے۔ کہ اگر آنحضرت صلعم کے بعد بھی کوئی وحی نازل ہوئی ہوتی۔ تو اس آیت میں ضرور اس کا ذکر کر دیا جاتا۔ چونکہ ذکر نہیں کیا گیا۔ اس لئے معلوم ہوا کہ آپ کے بعد وحی نہیں ہو سکتی۔ اس کا ایک جواب یہ ہے۔ کہ اس آیت میں تشریعی وحی کا ذکر ہے۔ اور چونکہ آنحضرت صلعم کے بعد ایسی وحی جو آپ کی شریعت کی ناسخ ہو۔ منقطع تھی۔ اس لئے اس کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اس کی تائید میں پھر چند علمار کے اقوال نقل کئے جا کر یہ کہا گیا ہے۔ کہ علمار کہتے ہیں۔ کہ ہمارے پاس کوئی ایسی خبر نہیں آئی۔ جس سے معلوم ہو کہ آنحضرت صلعم کے بعد وحی تشریعی ہو گی۔ بلکہ وحی الہام ہو گی۔ دوسرا جواب یہ ہے۔ کہ اکابر علمار لکھ چکے ہیں۔ کہ مسیح موعود پر وحی ہو گی۔ اور حدیث میں آنحضرت صلعم فرماتے ہیں۔ کہ مسیح موعود پر خدا کی طرف سے وحی ہو گی۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ جو قرآن مجید پر ایمان رکھتا ہے اور یہ تسلیم کرتا ہے۔ کہ مسیح موعود آئیگا۔ تو ان پر وحی ہو گی۔ تو اُسے خدا کی طرف سے یقین کریگا۔ پس اس لحاظ سے یہ آیت تشریعی وحی کے انقطاع پر دلالت کرتی ہے۔ غیر تشریعی وحی کے انقطاع پر دلالت نہیں کرتی۔ اس امر کی دلیل میں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد غیر شریعت والی وحی ہو سکتی ہے اور آنحضرت کے کامل متبعین پر اُس کا دروازہ بند نہیں ہے آیات ذیل اَلَمْ یَرَ وا اَنَّہٗ ...... نَبِیلاً پارہ ۹ رکوع ۸ اور اَفَلَا یَرَوْنَ ...... قَوْلاً پارہ ۱۶ رکوع ۱۳ کے حوالے دیا جا کر یہ کہا گیا ہے کہ ان آیات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بندوں سے خدا کا کلام کرنا ضروری ہے پس کیونکر مان لیا جاوے کہ حرم کعبہ کا رب اور قرآن کے اتارنے والا خدا جو بچھڑے کی عبودیت

اور الوہیت کا ابطال اُسکے عدم تکلم کی وجہ سے کرتا ہے۔ خود اپنے پیارے بندوں سے ویسا سلوک کرے
نیز آیت وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ .... غٰفِلُوْنَ سورۃ احقاف
رکوع ۱ سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے۔ کہ خداوند تعالےٰ اپنے بندوں کی پکار سنتا اور جواب
دیتا ہے۔ اور آیت قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ .... الخ آل عمران
رکوع ۴ سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے۔ کہ خدا اپنے بندوں سے پیار کرتا ہے۔ اور یہ بدیہی
بات ہے۔ کہ محب اپنے محبوب سے ہمکلام ہو۔ اور اُس کی باتیں سُنے۔ اور اپنی کہے۔ ورنہ
عدم کلام نقص محبت پر دلیل ہوگا۔ کیونکہ محبوب کا کلام نہ کرنا دلیل ناراضگی ہے۔ اور خدا جو
اپنے بندوں پر ماں باپ سے بڑھکر مہربان ہے۔ ضرور اپنے پیارے بندوں سے کلام
کرتا ہے۔ اور کوئی وجہ نہیں۔ کہ جب وہ اپنے پیاروں سے کلام کرتا تھا۔ تو اب نہ کرے۔
اللہ تعالےٰ کی ایک صفت جو اس کی خدائی پر ایک اعلیٰ دلیل ہے۔ وہ اس کا متکلم ہونا
ہے۔ پس یہ کسطرح ہو سکتا ہے۔ کہ اب قیامت تک اس صفت کا تعطل مان لیا جاوے
اور کہا جاوے کہ اس کی صفت تکلم زائل ہو چکی۔ یعنے کہ وہ اب کسی سے کلام نہ کرے گا۔
تو اس کا سمیع ہونا کیونکر معلوم ہوگا۔ کہنے والے پھر بھی کہہ دیں گے کہ وہ پہلے سمیع تھا۔ اور اب
نہیں۔ اس کی تائید میں پھر یہ ایک دنیاوی مثال دیگئی ہے۔

اگر کوئی عاشق اپنے کسی محبوب کے دروازہ پر آہ و بکا اور گریہ زاری کرتے ہوئے۔ بیقراری
کی حالت میں جائے۔ مگر محبوب نہ دروازہ کھولے۔ اور نہ اندر سے کوئی آواز آوے
تو یقیناً وہ عاشق ناامید ہو کر لوٹیگا۔ اور خیال کرے گا۔ کہ یا تو میرا محبوب مرچکا۔ یا مجھے دھوکا
دیا گیا۔ پس اسطرح اللہ تعالےٰ جسکا دیدار بوجہ اُس کے وراء الورا اور لطیف ہونے کے ہم نہیں
کر سکتے۔ اگر وہ گفتار سے بھی اپنے مشتاق کو تسلی نہیں دیسکتا۔ تو آخر وہ ایکدن ناامید ہو کر
اُسے چھوڑ دیں گے۔ تعشق اور محبت کا مادہ انسان کی فطرت میں ودیعت کیا گیا ہے۔ اور وہ
ایسے محبوب کو جس کے دیدار اور گفتار سے اپنے آپ کو ہمیشہ کیلئے محروم سمجھے۔ اُسے کبھی

اپنے عشق کا کامل نہیں بھرا تا۔ حقیقی عاشق اپنے محبوب سے ہمکلام ہونے کیلئے اپنے دل میں از حد تڑپ رکھتا ہے۔ اور اُس کے کلام کو اپنے لئے تریاق اور آبحیات سمجھتا ہے۔

پس وہ علیم خبیر ہستی جو انسانوں کے اندر احساسات و جذبات کا پیدا کرنے والا ہے۔ کسطرح اپنے عشاق کو اپنی ہمکلامی سے محروم رکھ سکتا ہے۔ اور اُس کی تائید میں آیات ذیل وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ .... الخ اور اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوا .... تَتَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِکَۃُ حٰم۔ سجدہ رکوع ۴ پیش کیگئی ہیں۔ اس کے بعد پھر آیات رَفِیْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ .... یَوْمَ التَّلَاقِ سورہ مومن رکوع ۲ اور تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِکَۃِ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ .... فَاتَّقُوْنِ سے یہ استدلال کیا گیا ہے۔ کہ جسطرح اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کو ازمنہ سابقہ میں اپنے وحی سے مشرف کرتا رہا ہے۔ آئندہ بھی کریگا۔ کیونکہ آیت میں نزول وحی کا موجب اللہ تعالےٰ کا رفیع الدرجات و ذوالعرش ہوتا ہے۔ اور ضرورت انذار قرار دیا گیا ہے پس جبکہ اللہ تعالےٰ اب بھی رفیع الدرجات اور ذوالعرش ہے۔ اس میں تغیر نہیں آیا۔ اور لوگ بھی بلحاظ روحانیت مردہ ہو گئے۔ تو پھر وحی کا انقطاع کیونکر مان لیا جاوے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ .... الخ یعنے اُمت محمدیہ تمام امتوں سے بہتر ہے۔ اور نعمت بھی اس پر پوری ہو چکی۔ اور دُعا بھی خُدا نے ہمیں یہ سکھلائی کہ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کہ اے خُدا تو ہمیں اپنے پیارے اور مقرب بارگاہ بندوں یعنے انبیاء۔ صدیقین۔ اور شہدائ اور صالحین کے راستہ پر چلا۔ تو عقل سلیم کیونکر تسلیم کرسکتی ہے۔ کہ اُمتِ محمدیہ جو سب امتوں سے بہتر ہو۔ لیکن انعاماتِ الٰہیہ سے محروم ہو پہلی امتوں کے مردوں کے علاوہ اللہ تعالےٰ نے عورتوں کو بھی اپنے کلام سے مشرف کیا۔ اور ان پر فرشتے نازل ہوئے۔ لیکن اُمتِ محمدیہ کے بڑے سے بڑے درجہ کے مرد کو بھی یہ انعام نہ ملے پس یہ کہنا کہ اُمت مرحومہ پر وحی الٰہی کا دروازہ بند ہے۔ اور خُدا اُس سے کلام

نہیں کرتا۔ تو پھر یہ خیر الامم کیسے ہوئی۔ اور یہ کہنا غلطی ہے۔ کہ خدا تعالےٰ نے آنحضرت صلعم
کے بعد جو تمام عالم کیلئے رحمت ہو کر آئے تھے۔ اس انعام کو لوگوں سے چھین لیا ہے۔ اور
اُمت میں سے کسی ایک فرد کو بھی اپنے ہمکلام ہونے کے مبارک شرف سے ہمیشہ کیلئے
محروم کر دیا ہے۔ اللہ تعالےٰ اور اُس کا پاک رسول اور اولیاء اُمت یہ کہہ رہے ہیں۔ کہ یہ
فیضان الٰہی اس امت پر بند نہیں ہیں۔ اور آنحضرت صلعم فرماتے ہیں۔ کہ تم میں سے پہلے
قوم بنی اسرائیل میں ایسے لوگ ہوئے ہیں۔ کہ باوجودیکہ وہ نبی نہ تھے لیکن اللہ تعالےٰ
اُن سے کلام کرتا تھا۔ میری اُمت میں ایسے لوگوں میں اگر کوئی ہے۔ تو عمر ہے۔ دوسری
روایت میں محدث کا لفظ آیا ہے۔ صحابہ نے حضور سے دریافت فرمایا۔ کہ یا رسول اللہ محدث سے
کیا مراد ہے۔ حضور نے فرمایا۔ کہ فرشتے اُس کی زبان پر کلام کرتے ہیں۔

اس کے بعد حضرت شیخ ابن عربی۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی اور مولانا روم
کی کتابوں کے حوالوں سے یہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ اُن کے نزدیک بھی یہ پایا جاتا ہے۔ کہ
تمام اقسام وحی کی جو قرآن میں مذکور ہیں۔ خدا کے بندوں اولیاء اللہ سب میں پائی
جاتی ہیں۔ اور وہ وحی جو نبی میں ہے۔ وہ خاص ہے۔ اور وہ شریعت والی وحی ہے
اور کہ جو وحی انبیاء علیہم السلام کو ہوتی ہے۔ وہ اس اُمت کے بعض کامل افراد کو بھی ہوتی ہے
اور جیسا کہ مولانا روم نے کہا ہے۔ ہوتی تو وہ وحی حق ہے۔ لیکن صوفیائے عام لوگوں سے
پردہ کرنیکی خاطر اُسے وحی دل بھی کہدیتے ہیں۔ اور کہ جس طرق سے انبیاء علیہم السلام کو
وحی الہام ہوتا ہے۔ انہیں طرق سے اولیاء اللہ کو ہوتا ہے۔ اگرچہ اصطلاحاً ان کا نام رکھنے میں
فرق کیا گیا ہے۔ اور یہ علماء کی اپنی اصطلاح ہے۔ اور اصطلاح فرقِ مراتب کے لحاظ سے قرار
پا گئی ہے۔ کہ انبیاء کی وحی کو وحی اور اولیاء کی وحی کو الہام کہتے ہیں۔ اور کہ ولی پر بھی وحی
بواسطہ ملک ہوتی ہے اور مدیہ کے اعتقاد کے مطابق عیسیٰ کے نزول پر ان پر وحی نازل ہو گی۔ اور اس کے
متعلق علماء کا قول ہے کہ وہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی زبان پر ہو گی اس کے آگے
یہ کہا گیا ہے کہ مرزا صاحب کی کتب سے جو یہ دکھلایا گیا ہے کہ

وہ بھی آنحضرت صلعم کے بعد سلسلہ وحی کو منقطع مانتے ہیں۔ تو وہاں ان کی مراد وحی شریعت سے ہے۔ نہ کہ دوسری وحی سے۔ جسے وہ جاری سمجھتے ہیں۔ اور ان تصریحات سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے۔ کہ آنحضرت صلعم کے بعد ایسی وحی کہ جس میں نئے اوامر و نواہی انہوں جاری ہے اور جن علماء نے یہ کہا ہے۔ کہ آپ کے بعد وحی اور الہام کا سلسلہ بند ہے۔ تو اس سے مراد ایسی وحی ہے۔ جو شریعت محمدیہ کے مخالف نئے اوامر و نواہی پر مشتمل ہو۔ نہ مطلق وحی جس کا اُمت محمدیہ میں باقی رہنا قرآن مجید۔ حدیث و بزرگانِ دین کے اقوال سے ثابت ہے اس کے آگے پھر دوسرا ہیڈنگ شروع ہو جاتا ہے۔ اس کے تحت میں اس بحث کا جواب درج کیا جاتا ہے۔

مدعیہ کیطرف سے جس وحی کے متعلق یہ کہا گیا ہے۔ کہ اس کا ادعا کفر ہے۔ اس سے مراد وحی نبوت سے ہی ہے۔ فریق مدعیہ کے نزدیک وحی کا لفظ صرف انبیاء کیلئے ہی مختص ہے۔ اور وہ اس امر کے قائل نہیں کہ جو وحی نبی کو ہوتی ہے۔ وہ غیر انبیاء کو بھی ہو سکتی ہے۔ اسلئے اب مدعاعلیہ کے بحث سے ہی یہ طے کرنا ہے۔ کہ آیا اس قسم کی وحی جو انبیاء کو ہوتی ہے غیر انبیاء کو بھی ہو سکتی ہے یا نہ۔ اس کے متعلق جن آیاتِ قرآنی کا حوالہ مدعاعلیہ کیطرف سے پیش کیا گیا ہے۔ ان کے ظاہری الفاظ سے یہ پایا جاتا ہے کہ حضرت ام موسٰے پر وحی ہوئی۔ حضرت مریم پر فرشتے اُترے اور ذوالقرنین سے اللہ تعالےٰ نے کلام فرمایا۔ لیکن اگر یہ نتیجہ محض ان الفاظ اَوۡحَیۡنَا قَالَتِ الۡمَلٰٓئِکَۃُ اور قلنا کے استعمال سے اخذ کیا جاتا ہے تو یہ درست نہیں۔ کیونکہ وحی کا لفظ قرآن مجید میں نہ صرف ذوی العقول کی بابت استعمال فرمایا گیا ہے بلکہ غیر ذوی العقول کی بابت بھی جیسا کہ سورہ نحل میں ہے۔ کہ شہد کی مکھی کو وحی کی گئی۔ یہاں میرے خیال میں مدعاعلیہ کے نزدیک بھی وحی سے مراد وہ وحی نہیں ہو سکتی جو انبیاء کو ہوتی ہے۔ یہاں یقیناً اس کے کوئی اور معنے بشکل فطرت میں داخل کرنا یا اُسے سمجھانا کے

جائیں گے۔ اِسیطرح قرآن مجید میں وحی کا لفظ اور بھی کئی مقامات پر استعمال ہوا ہے۔ جن کے سیاق سباق سے یہ نتیجہ اخذ نہیں ہوتا۔ کہ وہاں اِس لفظ سے مُراد اِس قسم کی وحی ہو جو انبیا کو ہوتی ہے۔ اور خاصکر اِس شبہہ کو زائل کرنے کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق قرآن مجید میں تصریح یہ فرمایا گیا۔ کہ ہم نے تیری طرف اِس قسم کی وحی بھیجی ہے جیسا کہ حضرت نُوحؑ۔ ابراہیمؑ۔ اسحاقؑ۔ اسمٰعیلؑ۔ یعقوبؑ۔ اور ان کی اولاد کیطرف بھیجی گئی۔ سورہ نساء پارہ ۶ رکوع ۲۳ آیت اِنَّا اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ كَمَا اَوْحَيْنَا اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ...... اِس لئے اِن مواقعات پر جہاں کہ لفظ وحی کے استعمال سے وحی نبوت کے معنے اخذ نہیں ہو سکتے۔ اِس لفظ سے مُراد جیسا کہ علماء نے لی ہے۔ القاء کرنا یا دل میں ڈالنا ہی لیجائیگی۔ اسیطرح قرآن مجید میں ایک اور جگہ ہے۔ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ۔ تو کیا یہاں بھی لفظ وحی کے استعمال سے وحی انبیاء لیجاسکیگی۔

قرآن مجید میں اس قسم کے اور بھی کئی الفاظ ہیں۔ کہ جن کے ظاہری معنے مُراد نہیں لئے گئے۔ مثلاً فتنہ کا لفظ جس کے معنے عام طور پر آزمائش کیلئے گئے ہیں۔ اسیطرح اس کی سند بیان نہیں کیگئی۔ کہ فرشتے ہر حال میں ذات باری کیطرف سے ہی بحیثیت رسول اُترتے اور کلام کرتے ہیں ممکن ہے کہ نیک آدمیوں پر ان کا اُترنا عام انتظام کائنات کے سلسلہ میں ہو یا روحانی ترقی کے مدارج میں داخل ہو۔ اِس لئے حضرت مریم پر فرشتوں کے اُترنے سے یہ نتیجہ لازمی طور پر برآمد نہیں ہوتا۔ کہ اللہ تعالےٰ غیر انبیاء سے اِس طریق پر کلام کرتا ہے۔ جیسا کہ انبیاء کیساتھ۔ باقی رہی وہ آیت جو ذوالقرنین کے متعلق ہے اس کا جواب یہ ہے کہ بعض کے نزدیک وہ نبی تھے مگر نبی تھا نہیں وحی نبوت ہوئی ہو گی۔ اور اگر نبی نہ تھے۔ تو اُن کے متعلق محض لفظ قال کا استعمال ضرورت کے طور پر یہ نتیجہ اخذ کرنے کیلئے کافی نہیں۔ کہ غیر انبیاء کیساتھ بھی اللہ تعالےٰ ہمکلام ہو سکتا ہے علاوہ ازیں اگر یہ مان بھی لیا جاوے کہ حضرت اُمِّ موسیٰ اور حضرت مریم کو ایسی ہی وحی ہوئی

جیسا کہ انبیاء کو ہوتی ہے۔ تو اس سے لازمی طور پر یہ نتیجہ نہیں نکلتا۔ کہ ایسی وحی غیر انبیاء کو ہو سکتی ہے۔ کیونکہ یہ بیبیاں پیغمبروں کی مائیں تھیں۔ اور ان ہر دو پیغمبروں کے متعلق یہ خطرہ تھا کہ انہیں پیدا ہونے کے بعد ہلاک نہ کر دیا جاوے۔ اس لئے ان کی ماؤں کو تسکین دینے کے لئے اگر اللہ تعالےٰ نے اپنی ہمکلامی سے شرف فرما دیا ہو۔ تو کوئی عجیب نہیں۔ اس کے تھ ہی پھر یہ بات بھی قابل غور ہے۔ کہ یہ واقعات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے قبل کے ہیں۔ ممکن ہے کہ خاص حالات کے تحت خاص خاص اشخاص کے ساتھ ہمکلام ہونا مشیت ایزدی سے مزدی سمجھا گیا ہو۔ اور اس کی تائید خود مدعا علیہ کی اپنی بحث سے ہوتی ہے۔ جیسا کہ وہ کہتا ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے۔ کہ بنی اسرائیل میں ایسے لوگ ہوئے ہیں۔ کہ باوجودیکہ وہ نبی نہ تھے اللہ تعالےٰ اُن سے کلام کرتا تھا۔ چنانچہ ذوالقرنین بھی اسی ذیل میں داخل سمجھے جا سکتے ہیں۔ لیکن اس کے بعد جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرما دیا کہ میرے بعد نبوت میں سے سوائے مبشرات کے اور کچھ باقی نہیں تو پھر کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ غیر انبیاء کو بھی وہی وحی ہوتی ہے جو انبیاء کو ہوتی ہے اس حدیث کو فریق مدعا علیہ نے صحیح تسلیم کیا ہے۔ لیکن اس کی یہ تاویل کی ہے۔ کہ یہ عام اشخاص کے متعلق ہے۔ خواص کیلئے نہیں۔ اگر خواص اس سے مستثنےٰ تھے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ رسول اللہ صلعم اُس کی تصریح نہ فرما دیتے یہ حدیث حضرت عائشہ سے بھی روایت کی گئی ہے۔

باقی رہے صوفیائے کرام کے اقوال اور تحریریں۔ ان کے متعلق ایک جواب تو اوپر سید انور شاہ صاحب کے بیان کے حوالہ سے دیا جا چکا ہے۔ کہ انہوں نے ان اشخاص کو جو ان کی اصطلاحات سے واقف نہ ہوں۔ اپنی کتابوں میں نظر کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور اس کا دوسرا جواب بھی شاہ صاحب مذکور کے الفاظ میں نقل کیا جاتا ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ صوفیائے کرام نے نبوۃ کو معنے لغوی لیکر منقسم بنایا۔ اور اس کی تفسیر خدا سے اطلاع پانا۔ دوسرے کو اطلاع دینا کی۔ اور اس کے نیچے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام

دو نوں کو داخل کیا۔ اور نبوت کو دو قسم کر دیا۔ نبوت تشریعی اور نبوت غیر تشریعی نبوت تشریعی کے نیچے وحی اور رسل دو نو درج کر دیئے۔ اور اب ان کے لئے نبوت غیر تشریعی اولیاء کے کشف اور الہام کے لئے رکھ گیا۔ اور مخصوص ہو گیا۔ صوفیائے کرام کی تصریح ہے۔ کہ کشف کے ذریعہ مستحب کا درجہ بھی ثابت نہیں ہوتا۔ صرف اسرار معارف یکاشف اس کا دائرہ ہیں اور تصریح فرماتے ہیں۔ کہ ہمارا کشف دوسرے پر حجت نہیں۔ ہمارا کشف ہمارے لئے ہے۔ گراہ مذکور نے کشف۔ الہام اور وحی کی یہ تعریف بیان کی ہے۔ کہ کشف اُسے کہتے ہیں۔ کہ کوئی پیرایہ آنکھوں سے دکھلایا۔ جسکی مراد کشف والا خود نکالے۔ دل میں کچھ مضمون ڈالدیا اور سمجھا دیا جاوے۔ یہ الہام ہے۔ خدا نے پیغام بھیجا۔ اپنے ضابطہ کا وہ وحی ہے۔ وحی قطعی ہے۔ اور کشف والہام ظنی ہیں۔ بنی نوع آدم میں وحی پیغمبروں کیساتھ مخصوص ہے۔ غیروں کے لئے کشف یا الہام ہے۔ یا معنوی وحی ہو سکتی ہے۔ شرعی نہیں۔

وحی کے شرعی یا غیر شرعی ہونیکی جو تفریق مدعا علیہ کیطرف سے کیگئی ہے۔ اُس کی تائید میں اس نے سوائے اقوال بزرگان کے اور کوئی سند پیش نہیں کی۔ اور ان اقوال کی گو مدعیہ کیطرف سے ترجمہ اور تشریح کیگئی ہے۔ اور یہ دکھلایا گیا ہے۔ کہ ان بزرگان کی ان اقوال سے کیا مُراد ہے۔ اور ان کے دیگر صریح اقوال پیش کئے گئے ہیں۔ کہ جن میں وہ رسول اللہ صلعم کو خاتم النبیین بمعنے آخری نبی تسلیم کرتے ہیں۔ اور آپکے بعد کسی اور نبی کا آنا ممکن نہیں سمجھتے۔ لیکن ان پر اسلئے بحث کی ضرورت نہیں کہ وہ قرآن مجید اور احادیث کے مقابلہ میں کوئی حجت نہیں ہو سکتے۔ اور مدعا علیہ کیطرف سے جو اعتراض مدعیہ پر عائد کیا گیا تھا۔ کہ اس نے وجوہات تکفیر کے ضروریات دین ہونے کے متعلق قرآن یا حدیث سے کوئی ثبوت پیش نہیں کیا۔ وہ بدرجہ اولٰے خود مدعا علیہ پر وارد ہوتا ہے۔ کہ اس نے تشریعی اور غیر شرعی وحی کی جو تقسیم کی ہے۔ اس کے متعلق کوئی ثبوت قرآن و احادیث سے پیش نہیں کیا۔ محض قیاسات سے ہی یہ کہا گیا۔ کہ جس آیت کا حوالہ مدعیہ کیطرف سے دیا گیا ہے کہ اس میں آئندہ وحی کا ذکر نہیں۔ وہ شریعت والی وحی کے انقطاع پر دلالت

کرتی ہے۔

مدیرکیطرف سے درست طور پر کہا گیا ہے۔ کہ صوفیائے کرام نے نبوت کی جو قسمیں بیان کی ہیں وہ ان کی اپنی قائم کردہ اصطلاحات کے مطابق ہیں۔ اس لئے ان کی قائم کردہ اصطلاحات کو عام امت کے مقابلہ میں حجت قرار دینا درست نہیں ہے۔ مسیح موعود پر وحی کا ہونا مستثنیات سے ہے۔ جسکی استثنا خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کر دی۔ اس سے وحی نبوت کے اجرار کا عمومیت کیساتھ نتیجہ نکالنا ایک غلطی ہے

آیت وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ .... الخ میں البشر کے لفظ کے متعلق مدیر کیطرف سے کہا گیا ہے کہ مراد انبیاء علیہم السلام سے ہے۔ لیکن اگر عام البشر بھی مراد لئے جاویں۔ تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا۔ کہ خدا بالعموم آدمیوں سے کلام کرتا رہتا ہے۔ بلکہ اس میں اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں کیساتھ ہمکلام ہونیکے طریق بتلائے ہیں۔ باقی کلام کا کرنا یا نہ کرنا اس کی اپنی مشیت پر منحصر ہے۔ لہذا گو امام مدیر نے یہ درست کہا ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد وحی نبوت جاری ہوتی تو قرآن مجید میں ضرور اس کی صراحت فرما دیجاتی۔ کیونکہ اس پر امت کی فلاح کا دارومدار تھا۔ باقی مولنا روم کی کتاب مثنوی کے حوالے سے جو یہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ وہ لکھتے ہیں۔ کہ اولیار کو جو وحی ہوتی ہے۔ وہ دراصل وحی حق ہوتی ہے۔ اور اولیار عام لوگوں سے پردہ کرنیکی خاطر اسے وحی دل کہہ دیا کرتے ہیں۔ یہ اُن کے شاعرانہ خیالات۔ اور شاعر کی نیت میں جیسا کہ سید انور شاہ صاحب گواہ مدیر نے کہا ہے۔ منوانا اس کا عالم کو منظور نہیں ہوتا۔ اور پھر جہاں انہوں نے وحی حق کے الفاظ لکھے ہیں ان کے ساتھ ہی واللہ اعلم بالصواب کا جملہ بھی موجود ہے۔ اس سے ان کے مفہوم کا خود اندازہ لگایا جاسکتا ہے

پارہ ۹ رکوع ۸ اور پارہ ۱۷۔ رکوع ۱۳ کی آیات محولہ بالا سے بھی یہ استدلال درست نہیں کیا گیا۔ کہ آنحضرت صلعم کے بعد غیر شریعت والی وحی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اول تو آیات اس زمانہ اور اُن حالات سے تعلق رکھتی ہیں۔ جو نزول قرآن کیوقت موجود تھے۔ اور یہیں

ان لوگوں کو خطاب ہے۔ جو عبادت الٰہی سے ناآشنا اور غافل ہوں۔ اور اب رسول اللہ صلعم کی تعلیم کے بعد کسی ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان کا بھی یہ عقیدہ نہیں ہو سکتا۔ کہ خداوند تعالےٰ سمیع بصیر اور علیم نہیں۔ باقی رہا اسکا آدمیوں سے کلام کرنا وہ اسکی مشیت پر منحصر ہے۔ اُسے کسی کی آہ دبکا۔ فریاد و فغاں سے کلام کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ دنیاوی عاشق و معشوق کی مثال عشق الٰہی پر نہایت ہی نازیبا طریق پر عائد کیگئی۔ تاہم اس مثال کو بھی اگر مدنظر رکھا جاوے۔ تو رسول اللہ صلعم کی تعلیم ایسی ناقص نہیں۔ کہ عاشقان الٰہی اگر فی الحقیقت وہ پورے معنوں میں عاشقانِ الٰہی بن چکے ہیں۔ خداوند تعالےٰ کے دروازہ سے ناامید ہو کر لوٹیں یا نعوذ باللہ یہ تصور کریں کہ انکا محبوب مرچکا یا انہیں دہوکا دیا گیا۔ دنیاوی معشوق بھی اگر اپنے عاشق کی آہ و بکا سن کر اسکے اندر اُسے کوئی تحفہ بھیجدے۔ یا اس کی بات کو سن کر اُس کا کوئی کام سرانجام کردے۔ تو باوجود اُس کے کہ وہ اس سے ہمکلام نہ ہو یا اپنا دیدار نہ کرائے اس کا عاشق ضرور سمجھ لیگا۔ کہ اس کا معشوق زندہ ہے۔ اور اُس سے محبت کرتا ہے۔ دنیا میں عاشقانِ الٰہی کی تعداد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد آجتک کوئی تھوڑی نہیں سمجھی جا سکتی۔ اور ویسے تو ایسے عشاق نہ صرف مذہب اسلام میں بلکہ ہر مذہب میں سینکڑوں کی تعداد میں پائے جائیں گے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے ہمکلام ہونیکا ذریعہ اس کے عشاق کے دل کی تڑپ ہی قرار دیجاوے تو ضرور ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اس عرصہ میں ہر ایک عاشق سے نہ سہی۔ سو دیں ہزارویں سے سہی۔ دس پندرہ بیس سال کے بعد نہ سہی۔ سو ہزار سال کے بعد سہی۔ کسی نہ کسی ایک سے تو ہمکلامی فرمائی ہوتی۔ نہ یہ کہ تیرہ سو سال تک یکدم خاموشی اختیار کئے رکھنے کے بعد صرف ایک شخص سے ہمکلام ہونا منظور فرمایا گیا۔ اور وہ بھی زیادہ تر پُرانی تیرہ سو سال والی زبان میں گویا اب اُس کے پاس الفاظ اور معانی کا ذخیرہ ختم ہو چکا ہے اگر نعوذ باللہ خدا کے پاس ہمکلامی کیلئے نہ کوئی اور نیا مواد ہے۔ اور نہ نئے الفاظ۔ تو پھر بچارے مولویوں کا کیا قصور ہے۔ کہ انہیں پُرانی لکیر کا فقیر قرار دیا جا کر کوسا جاتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے خدا کے اُس پُرانے کلام کی تبعداری کرنی ہے جو پہلے سے ہوتی آئی ہے۔

اگر عشاق کی تسلی محض گفتگو سے ہوتی اور وجود باریتعالےٰ کے علم کا ذریعہ بھی یہی ہوتا کہ جب کبھی اُس کا کوئی عاشق بیقراری کیحالت میں آہ و بکا کرتا ہوا اس کے دروازہ پر پہنچے۔ تو اُس کے لئے فوراً دروازہ کھلجائے۔ تو اسلام صفحہ ہستی سے کبھی کا نابود ہو چکا ہوتا کیونکہ تیرہ سو سال کا زمانہ ایسا نہیں کہ عشاق نعوذ باللہ خداوند تعالےٰ کی اس بے اعتنائی کو دیکھکر اُس کے دروازہ پر پڑے رہتے۔ بلکہ بقول گواہ مدعا علیہ عرصہ سے ناامید ہو کر لوٹ چکے ہوتے۔ اور پھر اس کی کیا گارنٹی ہے کہ اللہ تعالےٰ صرف ان عشاق سے ہی گفتگو کرتا ہے۔ کہ جو مذہب اسلام سے تعلق رکھتے ہوں۔ اور دوسرے سے نہیں کرتا۔ علاوہ ازیں عشاق کی تسلی محض گفتگو سے نہیں ہوا کرتی۔ بلکہ جیسا کہ مدعا علیہ کے گواہ نے بھی ظاہر کیا ہے۔ دیدار یاران کا مطمع نظر ہوتا ہے۔ اس لئے ممکن ہے۔ کہ عشاق جب گفتگوئے یار سے بہرہ اندوز ہوں۔ تو پھر کبھی اپنے عشق کی مستی میں قوم موسیٰ کیطرح اَرِنَا اللّٰهُ جَهْرَةً کی رٹ لگانی شروع کر دیں۔ اور بجائے اس کے کہ دیدار یار سے لذت اندوز ہوں۔ اپنا بیڑہ بھی غرق کر بیٹھیں۔ شک نہیں کہ حقیقی عشاق کے دلوں میں ضرور اپنے محبوب کے متعلق ایک تڑپ ہوتی ہے۔ اس تڑپ کے فرو کرنیکا علاج یہ نہیں۔ کہ محبوب سے ضرور ہمکلامی ہو۔

باری عَزَّ اِسْمُهٗ نے اپنے عشاق کی تڑپ فرو کرنیکا علاج خود ہی اپنے زندہ کلام قرآن پاک میں یہ فرمایا ہے اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْب۔ یعنے خدا کی یاد سے دل مطمئن ہوتے ہیں۔ اور زیادہ اضطراب پیدا ہونیکی صورت میں فرمایا۔ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ....الخ

گواہ مدعا علیہ نے اس آیت کو بقاء وحی پر دلیل پکڑا ہے۔ لیکن وحی سے مراد اگر اس قسم کی استجابت لیجاوے جو اس آیت میں مذکور ہے۔ تو پھر خداوند تعالےٰ کا ہر فرد بشر کیساتھ کلام کرنا ممکن ہو سکتا ہے۔ اور ہر شخص محل وحی بھی بن سکتا ہے۔ اس قسم کے استدلال

اختیار کرنے سے مذہب کی کوئی عظمت و وقعت ظاہر نہیں ہوسکتی اور نہ اس کی کوئی حقیقت منکشف کیجاسکتی ہے۔ گواہ مدعا علیہ نے بیان کیا ہے کہ خدا کا کلام نہ کرنا غضب اور ناراضگی کی علامت ہے۔ تو کیا اس سے سمجھا جائے گا کہ جن لوگوں سے پہلے خداوند تعالےٰ نے کلام نہیں کی کیا ان سب پر خداوند تعالےٰ ناراض رہا ہے۔ اور وہ مورد عتاب الٰہی ہیں۔ استغفر اللہ۔

بقاءِ وحی کے سلسلہ میں باقیماندہ جن دو آیات سورہ مومن اور پارہ ۲۴۔ رکوع ۲ کا حوالہ دیا گیا ہے۔ ان سے بھی وحی کا جاری رہنا ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ آیات مدعا علیہ کی اپنی تقسیم کے مطابق وحی تشریعی ہی سے تعلق رکھتی ہیں کیونکہ ان میں یہ مذکور ہے کہ جس شخص کو وحی کیجاتی ہے اسکو یہ حکم دیا جاتا ہے۔ کہ وہ لوگوں کو قیامت کے دن سے ڈرائے۔ اس لئے اس قسم کی وحی کو مدعا علیہ کی اپنی تعریف کے مطابق وحی تشریعی ہی سمجھا جائیگا۔ اور یہ سلسلہ مدعیہ کے ادعا کے مطابق اللہ تعالےٰ نے رسول اللہ صلعم پر آکر ختم فرما دیا۔ اور مدعا علیہ کے نزدیک بھی اب تشریعی نبی نہیں آسکتا۔ اس لئے ان آیات سے وحی مطلق کے اجراء کا استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ باقی رہی مدعا علیہ کی یہ حجت کہ اللہ تعالےٰ نے جب ہمیں دعا سکھلائی ہے۔ کہ اے اللہ ہمیں راہ مستقیم پر چلا۔ اور ان لوگوں کی راہ پر چلا۔ جن پر تو نے اپنے انعام کئے ہیں۔ اور پھر دوسری سورۃ میں اس کی تشریح فرمائی۔ کہ وہ کون لوگ ہیں جن پر خدا کا انعام ہوا۔ اس کے متعلق فرمایا۔ کہ وہ نبی۔ صدیق۔ شہید اور صالح ہیں۔ اس سے یہ تلقین کیگئی۔ کہ اللہ اور اس کے رسول محمد مصطفےٰ صلعم کی پیروی سے یہ چاروں مراتب تم کو حسب حیثیت ملسکتے ہیں۔ لھذا یہ نہیں ہوسکتا۔ کہ اُمت محمدیہ تین مراتب کا تو انعام پائے اور چوتھے مرتبہ یعنے نبوت کا حصول اسکے لئے ناممکن ہو۔ حالانکہ اس سے پہلی اُمتوں نے اس انعام کو بار بار حاصل کیا۔ پھر یہ خیر الامم کسطرح ہوئی۔ اور نہیں کہا جاسکتا کہ اُمت مرحومہ پر

وحی الٰہی کا دروازہ بند ہے۔ اور آنحضرت صلعم کے بعد جو تمام عالم کیلئے رحمت ہو کر آئے۔ اس انعام کو لوگوں سے چھین لیا گیا۔

اس کا جواب مدینہ کیطرف سے یہ دیا گیا ہے۔ کہ آیت من یُطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ... ...... وَالصَّالِحِیْن میں الفاظ مَعَ الَّذِیْنَ سے مُراد رفاقت سے ہے۔ نہ کہ علمائی درجہ سے۔ مدعا علیہ کے اعتراض کا مطلب یہ ہے۔ کہ جب نبی کے علاوہ دیگر مدارج جو اس آیت میں مذکور ہیں۔ رسول اللہ صلعم کی پیروی سے مل سکتے ہیں۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ نبوت کا درجہ نہ مل سکے۔ اگر اس بحث کو بفرضِ محال صحیح تسلیم کر لیا جاوے۔ تو پھر اس سے یہ لازم آئیگا کہ نبوۃ ایک کسبی چیز ہے۔ جو اتباعِ سُنّت اور ریاضت سے حاصل ہو سکتی ہے۔ حالانکہ قرآن شریف کی نصوص سے یہ ثابت ہے۔ کہ نبوت کسبی نہیں۔ اور مرزا صاحب نے بھی اُسے مانا ہے چنانچہ وہ اپنی کتاب ضمیمۃ النبوۃ - فی الاسلام صفحہ ۲۸ پر لکھتے ہیں۔ کہ نبوت ایک صفت اصلی قائم ہے۔ نبی کی ذات کیساتھ نہ وہ کسب سے حاصل ہو۔ اور نہ کبھی سلب ہو۔ اگر نبوۃ حضور علیہ السلام کے اتباع سے حاصل ہو سکتی تھی۔ تو کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ کہ آجتک جسقدر اولیاء۔ ابدال۔ اقطاب گذرے ہیں۔ انیں سے کسی کو بھی یہ مرتبہ حاصل نہ ہوتا۔ علاوہ ازیں اگر یہ سمجھا جاوے۔ کہ حضور کے کمال اتباع اور فیض سے یہ مرتبہ حاصل ہو سکتا ہے۔ اور حضور بھی اُسے جائز سمجھتے تھے۔ تو ضرور ہے کہ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جہاں کئی دیگر مراتب اور مدارج کے حصول کیلئے اپنی اُمّت کو ادعیات اور اوراد کی تلقین فرمائی ہے اور وہاں اس مرتبہ کے لئے بھی کوئی دُعا وغیرہ بھی تلقین فرماتے۔ تاکہ اُمّت کے افراد کو اس کے حاصل کرنے میں کوئی آسانی میسر آتی۔ کیونکہ حضور کی شفقت سے یہ بعید تھا۔ کہ وہ اُمّت کو اسقدر پریشانی اور محنت شاقہ میں ڈالتے۔ کہ مدت مدید کی انتظار اور عبادات کے بعد صرف ایک ہی شخص کو جا کر یہ نعمت عطا ہوتی۔ اگر کوئی دُعا وغیرہ تلقین کرنا آپکے نزدیک مناسب نہ تھا۔ تو کم از کم اُس کی صراحت تو فرما دیتے۔ کہ تم کو یہ درجہ مل سکتا ہے۔ تمہیں اسکے حصول کے

کے متعلق کوشاں رہنا چاہیے۔ آپ نے نہ اس قسم کی کوئی صراحت فرمائی۔ نہ ہی اسکے لئے کوئی راستہ بتلایا۔ بلکہ یہی فرماتے رہے۔ کہ لا نبی بعدی وانا اخر الانبیاء وغیرہ گویا کہ امت کو نعوذ باللہ از دست دھوکے میں رکھتے رہے۔ تاکہ وہ کہیں یہ درجہ حاصل کر کے آپکے مقابلہ میں نہ کھڑے ہو جاویں۔

بلکہ آپ کا رحمۃ اللعالمین ہونا اس بات کا متقاضی تھا۔ کہ آپ سابقہ انبیاء کے مقابلہ میں اپنی اُمت میں سے زیادہ انبیاء پیدا کر کے اپنے افضل الانبیاء ہونیکا ایک اعلیٰ اور بیّن ثبوت بہم پہنچاتے۔ لہٰذا قرآن شریف کی دیگر تصریحات کو مدنظر رکھتے ہوئے آیت محولہ بالا کا مفہوم یہی لیا جائیگا۔ کہ وہ لوگ انبیاء کی رفاقت میں ہوں گے۔ اور چونکہ مدعا علیہ کو دنیاوی امثال کا بہت شوق ہے۔ اس لئے اُس کی مثال یہ ہو سکتی ہے۔ کہ جیسے حکومت کسی شخص کو اس کی ذاتی وجاہت اور مرتبہ کے لحاظ سے اپنے دربار میں اپنے کسی ممتاز عہدہ دار کیساتھ جگہ دیدے۔ تو نہیں کہا جا سکتا۔ کہ اس شخص نے اس عہدہ دار کا رتبہ حاصل کر لیا ہے یا یہ کہ وہ اس کا رتبہ حاصل کرنیکا اہل بنا دیا گیا ہے۔ اسیطرح اللہ تعالےٰ نے یہ فرمایا۔ کہ وہ لوگ جن کی آیاتِ ماسبق میں فضیلت بیان کی گئی ہے۔ انبیاء، شہداء، صدیقین اور صلحاء کے ہمراہ ہوں گے۔ اسلئے مدعا علیہ کا یہ استدلال کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ کہ اگر امتِ محمدیہ کو نبوت کا درجہ نہ ملے تو وہ خیر الامم نہیں رہتی۔ اس کے خیر الامم ہونے کے لئے خدا نے اُسے اور کئی مدارج عطا فرمائے ہیں۔ قرآن مجید نے اسے اس بات کا محتاج نہیں رہنے دیا۔ کہ وہ نبوت کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غلامی پر ترجیح دے۔ بلکہ بڑے بڑے جلیل القدر انبیاء آپ کی اُمت میں داخل ہونے کے متمنی رہے ہیں۔ افسوس کہ قرآن کی تعلیم کو پوری طرح مدِنظر نہیں رکھا گیا ورنہ یہ اعتراض نہ کیا جاتا۔

قرآن حکیم میں حیاتِ انسانی کی پوری انتہا واضح نہیں فرمائی گئی۔ اور جیسا کہ چودھری غلام احمد صاحب پرویز مضمون محولہ بالا میں لکھتے ہیں۔ جنت بھی جو بالعموم منزلِ مقصود

سمجھی جاتی ہے۔ درحقیقت اصل منزلِ مقصود نہیں۔ بلکہ رستہ کا ایک خوشنما منظر ہے۔ جیساکہ قرآن مجید میں جنتیوں کی اس دعا سے ظاہر ہوتا ہے۔ یقولون ربنا اتمم لنا نورنا۔ اس منتہی کو ایک راز رکھا گیا۔ نہ معلوم کہ حضور کے فیض سے اُمت کو کیا کچھ عطا فرمایا جائیگا۔ لہٰذا مدعاعلیہ یہ ثابت کرنے میں کامیاب نہیں رہا۔ کہ جو وحی انبیاء علیہم السلام کو ہوتی رہی وہ اس وقت تک جاری ہے۔ بلکہ صرف الہام اور کشف وغیرہ باقی ہیں۔ جیساکہ مدعیہ کا ادعا ہے۔ اور ان کو لغوی طور وحی کہا جاسکتا ہے۔ اس مقدمہ کے فیصلہ کا دارومدار زیادہ تر رسول اللہ صلعم کے خاتم النبین بمعنے آخری نبی ماننے کے عقیدہ پر ہی ہے۔ مدعیہ کیطرف سے جیساکہ اوپر درج کیا گیا۔ بحوالہ آیاتِ قرآنی واحادیث واجماع امت یہ دکھلایا گیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد اور کوئی نبی نہیں ہوسکتا۔ بجز اس کہ اس کی استثنا حضور نے خود کردی۔ یعنے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور کہ مرزا صاحب کے دعوے سے قبل اور اب بھی سوائے مرزا صاحب کے پیروؤں کے دیگر جملہ مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام انبیاء کی تعداد اور بعثت کے لحاظ سے آخری نبی ہیں۔ اور آپکے بعد اور کوئی نبی نہیں ہوسکتا۔ اگر کوئی مسلمان کسی اور کو نبی مانے۔ تو وہ کافر اور مرتد ہوجاتا ہے۔

مدعاعلیہ کیطرف سے کہا جاتا ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم کے کمال اتباع اور فیض سے نبوۃ کا مرتبہ عطا ہوسکتا ہے۔ اور وہ خاتم النبین کے معنے عام مسلمانوں کے اعتقاد کے خلاف یہ کرتا ہے۔ کہ اللہ جل شانہٗ نے آنحضرت صلعم کو صاحب خاتم بنایا یعنے آپ کو افاضہ کمال کے لئے مہر عطا کی۔ جو کسی اور نبی کو ہرگز نہیں دیگئی۔ اسوجہ سے آپکا نام خاتم النبین ٹھیرا یعنے آپ کی پیروی کمالات نبوت بخشتی ہے۔ اور آپ کی توجہ روحانی نبی تراش ہے۔ اور قرآن مجید کی جس آیت میں یہ الفاظ درج ہیں۔ اُس کے معنے مدعاعلیہ کیطرف سے یہ کئے گئے ہیں۔ کہ اس آیت میں رسول اللہ کے بعد الفاظ خاتم النبین اس لئے لائے گئے کہ ہر نبی اپنی اُمت کا روحانی باپ ہوتا تھا۔ صرف اتنا کہدینے سے کہ آپ بحیثیت

رسول اپنی امت کے باپ ہیں۔ آپکی دوسرے رسولوں پر کوئی فضیلت ظاہر نہ ہوتی تھی۔ اِسلئے اللہ تعالےٰ نے آپ کو خاتم النبیین فرماکر آپ کو دوسرے رسولوں سے ممتاز فرمایا۔ کہ اور نبی تو اپنی اُمّت کے صرف مومنوں کے باپ تھے مگر آپ ایسے عظیم الشان اور جلیل القدر نبی ہیں۔ کہ انبیاء کے بھی باپ ہیں۔ یعنے آپکی اتباع اور توجہ روحانی کمالاتِ نبوت بخشتی ہے اور اگر اس کے معنے آخر کیلئے جاویں۔ تو اس میں آپ کی کوئی فضیلت نہیں ہے۔

اِس تصریح سے اِس حد تک تو مدعا علیہ کی یہ توجیہ درست ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کو چونکہ دیگر انبیاء سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو افضل دکھلانا مقصود تھا۔ اِس لئے الفاظ خاتم النبیین استعمال فرمائے گئے لیکن یہ سمجھ نہیں آتا کہ محض لفظ خاتم کے استعمال سے آپکا نبی تراش ہونا کسطرح مفہوم لے لیا گیا ہے۔ کیونکہ اگر خاتم کے معنے مہر بھی کئے جاویں تو اُس کے یہ معنے کہ ایسے بھی کہ آپ انبیاء سابقہ پر مہر ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فضیلت نمایاں ہو سکتی ہے۔ اور محض یہ توجیہ بھی کہ آپ انبیاء کے باپ ہیں آپ کی فضیلت ظاہر کردینے کے لئے کافی ہے۔ پھر معلوم نہیں ہوتا۔ کہ آپکے اس تفضیلی علاقہ ابوت سے آئندہ توالد انبیاء کا سلسلہ جاری ہونا کسطرح اخذ کیا گیا ہے۔ اور پھر توالد بھی صرف ایک نبی کا۔ اِس میں شک نہیں کہ خاتم کے معنے مہر دیگر علماء نے بھی کئے ہیں۔ اور حال ہی میں قرآن مجید کا جو ترجمہ مولنا محمود الحسن صاحب دیوبندی کا شائع ہوا ہے۔ اِس میں بھی خاتم کے معنے مہر درج ہیں۔ اور خاتم النبیین کے معنے انہوں نے یہ لکھے ہیں۔ کہ مہر ہیں تمام نبیوں پر اور میری رائے میں سیاق سباق عبارت سے یہی معنے درست معلوم ہوتے ہیں۔ اِس پر مدعا علیہ کا یہ اعتراض ہوگا۔ کہ پھر رسول اللہ صلعم کا آخری نبی ہونا کہاں سے اخذ کیا جائیگا۔

اِس کا جواب یہ ہے کہ ایک تو رسول اللہ صلعم کا آخری نبی ہونا احادیث سے اور اُمت کے اجماعی عقیدہ سے اخذ کیا جائیگا۔ اُمت آجتک آپ کو آخری نبی سمجھتی آئی۔ اور جیسا کہ مولوی مرتضےٰ حسن صاحب گواہ مدعیہ نے بیان کیا ہے۔ آجتک جسقدر اولیاء ابدال۔ اقطاب۔ مجتہدین مجدد ہوتے آئے ہیں۔ کسی نے اِس عقیدہ کی تغلیط نہیں کی۔ دوسرے مدعا علیہ کو بھی اِس سے

انکار نہیں۔ کہ خاتم کے معنے آخری بھی ہیں۔ اور اِس معنے پر اُمت کا اجماع چلا آیا ہے۔

مدعا علیہ کیطرف سے اِس اجماع کی حقیقت کو توڑنے کی کوشش کیگئی۔ لیکن وہ اس سے انکار نہیں کرسکتا۔ کہ مرزا صاحب کے دعوے سے قبل جمہور اُمت کا عقیدہ اسطرح چلا آیا ہے۔ اس لئے ایک امر واقعہ کو غلط کہنا ایک بیجا حجت ہے۔

مدعا علیہ کیطرف سے لغت عربی زبان کے محاورات سے یہ دکھلایا گیا ہے۔ کہ لفظ خاتم جب ت کی زبر سے پڑھا جاوے تو انگوٹھی یا مہر کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اور اگر زیر سے پڑھا جاوے۔ تو اُس کے معنے اختم کرنیوالا۔ دوسرا مہر لگانیوالا ہوتے ہیں اور خاتم کا لفظ کمال کے معنوں میں بکثرت استعمال ہوتا ہے۔

اور کہ خاتم کے اصل معنے آخر کے نہیں ہیں۔ اگر آخر کا معنے بھی لئے جاویں۔ تو پھر لازم معنے کہلائیں گے نہ اصل معنے۔ اور جب اصل معنے لئے جا سکتے ہیں تو لازم معنے کیوں لئے جاویں۔ خاتم اگر کہیں آخر کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے تو لازم معنے لیکر کیا جاتا ہے۔ اور جبکہ قرآن مجید میں کوئی ایسا صریح قرینہ موجود نہیں۔ جو لازم معنے لینے پر ہی دلالت کرے۔ تو اُس کے باقی سب معنے چھوڑ کر صرف آخر کے معنے میں لینا کسطرح صحیح نہیں۔ لیکن مُقدمہ ہذا میں سوال زیر بحث عقیدہ سے تعلق رکھتا ہے الفاظ کے معنے یا مُراد سے تعلق نہیں رکھتا۔ دیکھنا یہ ہے کہ عقیدہ کس معنے پر قائم ہوا۔ جب مدعا علیہ کے نزدیک خاتم کے معنے آخر کے ہو سکتے ہیں۔ اور عقیدہ بھی تیرہ سو سال تک اِس پر قائم رہا ہے تو اَب اِن الفاظ پر بحث کرنا کہ ان کے معنے آخر کے نہیں بلکہ مہر کے ہیں۔ سوائے ایک علمی دلچسپی کے اور کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ علاوہ ازیں جو علما اس کے معنے قبل ازیں آخر کے کرتے آئے ہیں ان کی نسبت نہیں کہا جاسکتا۔ کہ وہ اس کی لغت یا اصل سے واقف نہ تھے۔ اِس لئے اِس لفظ کے معنے پر بحث لاحاصل ہے۔ علاوہ ازیں مرزا صاحب بھی اپنے دعوے سے قبل خاتم النبیین کے معنے آخری کرتے آئے ہیں۔ جیسا کہ مدعیہ کے گواہان کے بیانات میں دکھلایا جاچکا ہے۔ بعد کے معنے محض تاویلی ہیں۔ اور اپنے دعوے کو رنگ دینے کیخاطر کئے گئے ہیں۔ اور اب مدعا علیہ کیطرف

سے یہ کہنا کہ مرزا صاحب نے جہاں جہاں آنحضرت صلعم کے بعد سلسلہ وحی کو منقطع مانا ہے۔ وہاں ان کی
مراد وحی شریعت سے ہے۔ نہ کہ دوسری وحی سے۔ درست نہیں ہے۔ کیونکہ جہاں انہوں نے وحی
کو منقطع مانا ہے۔ وہاں انہوں نے اسکی تصریح نہیں کی۔ اور سیاق سباق سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ہر قسم
کی وحی کے انقطاع کے متعلق کہہ رہے ہیں۔ ان کے یہ اقوال اس قسم کے ہیں۔ جن کے متعلق
کہ مدعا علیہ کی بحث کے شروع میں نقرہ ۵ میں تشریح کیگئی ہے۔ کہ وہ اپنے اندر ایک مستقل مفہوم
لئے ہوئے ہیں۔ اس لئے مرزا صاحب کے دیگر اقوال ان کی توضیح یا تشریح نہیں بن سکتے۔
اس قسم کے اقوال جن سے مرزا صاحب انقطاع وحی کے قائل پائے جاتے ہیں۔ گواہان مُدعیہ کے
بیانات میں مفصل درج ہیں۔ جو اُوپر درج کئے جا چکے ہیں۔
مدعا علیہ کیطرف سے اس مسئلہ ختم نبوت کے متعلق پھر یہ کہا گیا ہے۔ کہ احادیث پر
نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے آیت خاتم النبیین سے نبوت کو بکلی مسدود نہیں
سمجھا۔ جیسا کہ حدیث لوعاش ابراھیم لکان صدیقا نبیا سے ظاہر ہوتا ہے
کیونکہ آیت خاتم النبیین کے نزول سے پانچسال کے بعد حضور نے یہ فرمایا ہے۔ لیکن اول تو اس
حدیث کے صحیح ہونے میں شبہ ہے۔ جسکا اظہار خود گواہ مدعا علیہ نے کردیا ہے۔ دوسرا اس میں
لو کا ایک شرطیہ لفظ موجود ہے۔ اور قواعد عربی کی رُو سے مدعا علیہ کیطرف سے یہ تسلیم کیا گیا ہے۔ کہ جہاں
لو داخل ہو وہاں وقوع نہیں ہوتا۔ تیسرا اس میں نبوت کی کوئی تفصیل نہیں۔ کہ کیسی نبوت ہوگی۔
چوتھا نبوت کا امکان حضرت ابراہیم کی زندگی پر تھا۔ جب وہ وفات پاگئے۔ نبوت کا امکان
بھی چلا گیا۔ اس سے کسیطرح بھی آئندہ نبوت جاری رہنے کا نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا۔ مدعا علیہ کیطرف
سے حضرت عائشہ کا ایک قول قولوا خاتم النبیین ولا تقولوا لانبی بعدہٗ
نقل کیا جا کر یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے۔ کہ اس قول سے ظاہر ہے۔ کہ وہ لوگ جو الفاظ خاتم النبیین
اور لانبی بعدی سے یہ سمجھتے ہیں۔ کہ آپکے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔ غلطی پر ہیں۔ اس ضمن میں
پھر یہ کہا گیا ہے کہ دوسری شہادت حضرت علی رضی اللہ تعالٰے عنہ کی ہے۔ جو یہ ہے۔ کہ

ایکدفعہ آپ کے صاحبزادے اُستاد کے پاس بیٹھے پڑھ رہے تھے۔ ایکدفعہ اتفاقاً حضرت علیؓ وہاں سے گذرے۔ اور فرمایا کہ ان دونوں کو خاتم النبین کا لفظ ت کی زبر سے پڑھاؤ۔ دوسری قرارت میں خاتم ت کی زیر سے بھی آیا ہے۔ پس اگر حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے نزدیک ت کی زیر سے بھی خاتم کے معنےٰ آخری نبی کے بنتے تھے تو آپ نے زیر کے پڑھانے سے منع کیوں کیا۔ کیونکہ زیر سے ختم کرنے کے معنے زیادہ واضح ہو جاتے تھے۔ کیا اس سے ثابت نہیں ہوتا۔ کہ دونوں میں آپ فرق سمجھتے تھے اور زیر پڑھانے سے آپ کو اسکا خطرہ تھا کہ کہیں بچوں کے ذہن میں نبوّت کے متعلق غلاف عقیدہ نہ بیٹھ جائے۔

حضرت علی کے متعلق جو حدیث لانبی بعدی والی بیان کیگئی ہے۔ اور جو مولوی محمد حسین صاحب گواہ مدعیہ کے حوالے اُوپر گذر چکی ہے۔ اُسے مدعاعلیہ کیطرف سے صحیح ماناگیاہے۔ مگر اس کی تاویل یہ کیگئی ہے۔ کہ بعدی سے مُراد یہاں موت کے بعد نہیں جیسا کہ عام طور پر سمجھا گیاہے۔ بلکہ بعدی سے مُراد جنگ تبوک کا عرصہ ہے۔ یعنے اِس عرصہ میں آپکے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ اور اِس سلسلہ میں ایک اور حدیث کا حوالہ دیا جاکر یہ بیان کیا گیاہے۔ کہ اُنکا مطلب یہ ہے کہ اے علی تم اِس بات پر راضی نہیں۔ کہ میرے خلیفہ بنو۔ جیسے ہارون موسےٰ کے خلیفہ تھے۔ مگر ہاں تم نبی نہیں ہوگے۔ اور اِس سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیاہے کہ اِس جُملہ کے فرمانے کی ضرورت یہ تھی۔ کہ جب حضرت علی کو ہارون سے مشابہت دیگئی۔ تو شبہ پڑسکتا تھا کہ آپ حضرت ہارون کیطرح نبی بھی ہوں گے۔ اسلئے آنحضرت صلعم نے وضاحت فرمادی۔ کہ تم میرے بعد خلیفہ ہوگے۔ نبی نہیں ہوگے۔

یہ تمام دلائل محض قیاسی ہیں۔ اور کوئی علمی حیثیت نہیں رکھتے۔ ان کا جواب بھی قیاس ہوسکتاہے۔ حضرت علی کے صاحبزادوں کا جو قصہ بیان کیا گیاہے۔ ممکن ہے۔ کہ حضرت علی نے ت کی زیر سے اسلئے پڑھانا منع کیا ہو کہ زیر سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

کی فضیلت کا پہلو پوری طرح سے ظاہر نہیں ہوتا۔ اور زبر سے پڑھانے سے وہ تو پہلو نمایاں
ہو جاتے ہیں۔ اور اگر یہ سمجھا جاوے کہ اسوقت حضرت علی کے ذہن میں یہ بات تھی۔ کہ زیر
سے پڑھانے سے نبوت کے منقطع ہونیکا مغالطہ پڑتا ہے۔ اور کہ ان کے نزدیک حضور کے بعد
نبوت جاری رہیگی۔ تو جنگ تبوک کے موقعہ پر جب حضور نے انہیں ہارون علیہ السلام سے
تشبیہ دیکر یہ فرمایا تھا۔ کہ لانبی بعدی۔ تو وہ عرض کر سکتے تھے۔ کہ حضور جب آپ مثیل موسیٰ ہیں
اور میں مثیل ہارون علیہ السلام تو میں بھی آپکا چچازاد بھائی ہوں۔ اس لئے آپ موسیٰ علیہ السلام
کیطرح کیوں میرے حق میں دعا نہیں فرما دیتے۔ کہ خدا مجھے بھی نبی بنا دے۔ اور باہمی مماثلت
کی بناء پر کوئی عجب نہ تھا۔ کہ حضور کی دعا سے خدا انہیں بھی نبوت کا مرتبہ عطا فرما دیتا۔

یہ محض ایسے قیاسات ہیں کہ جو ظنیات کی حد تک بھی نہیں پہنچتے۔ اور مذہب میں
جیسا کہ خود مدعا علیہ کیطرف سے تسلیم کیا گیا ہے۔ قطعیات کا اعتبار ہوتا ہے۔ نہ ظنیات یا
قیاسات کا۔ باقی رہا حضرت عائشہ کا قول اسکے متعلق مدعیہ کیطرف سے تین جواب دئے گئے
ہیں۔ ایک تو یہ کہ لا نبی بعدہ کے کہنے سے چونکہ یہ اندیشہ تھا۔ کہ کہیں کوئی یہ عقیدہ شخصی
حضرت عیسیٰ کے نزول سے انکار نہ کر دے۔ اس لئے آپنے یہ فرمایا کہ خاتم النبیین کہو۔ لانبی
بعدہ نہ کہو۔ دوسرا یہ کہ خاتم النبیین کے کہنے سے چونکہ دونوں مدعا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا آخری
اور افضل ہونا ظاہر ہوتے ہیں۔ اس لئے آپ نے فرمایا کہ لانبی بعدہٗ نہ کہو بلکہ خاتم النبیین کہو۔

تیسرا یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت عائشہ نے یہ حدیث خود روایت کی ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ
والسلام نے فرمایا۔ کہ نبوۃ ختم ہو چکی۔ سوائے اس کے اب مبشرات ہونگے۔ اور مبشرات کی
تشریح آپنے یہ فرمائی۔ کہ اچھی خوابیں اسلئے مدعیہ کیطرف سے یہ کہا جاتا ہے۔ کہ جب حضرت
عائشہ کو خود اس حدیث کا علم تھا۔ تو کسطرح کہا جا سکتا ہے۔ کہ انہوں نے لا نبی بعدہٗ کہنے
سے اسلئے منع کیا کہ وہ آپ کے بعد نبوت کو جاری سمجھتی تھیں۔ یہ ایک بہت معقول جواب ہے
اس کے علاوہ جن لوگوں کو آپنے منع کیا ہوگا کہ وہ لانبی بعدہٗ نہ کہیں۔ تو انہوں نے آخر کوئی

وجہ تو دریافت کی ہوگی۔ کیونکہ اِس سے شبہ پڑ سکتا تھا۔ کہ کیا آپ کے بعد نبوت جاری ہے جو وہ ایسا کرنے سے منع کرتے ہیں۔ ایسی کوئی تفصیل بیان نہیں کیجاتی اسلئے اُن کے اِس قول سے یہ کوئی دلیل نہیں پکڑی جا سکتی کہ وہ آپ کے بعد نبوت کا سلسلہ جاری سمجھتی تھیں۔

اِس سلسلہ میں پھر مدعا علیہ کیطرف سے یہ کہا گیا ہے۔ کہ یہ بھی واضح رہے کہ قرآن مجید میں الفاظ خاتم النبین میں آخر النبین نہیں۔ آخر کچھ تو بھید ہے کہ اللہ تعالےٰ نے آپ کے لئے آخر النبین نہیں کہا۔ بلکہ خاتم النبین کہا۔

اس میں اوّل تو کوئی بھید نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ آخر النبین کا لفظ خاتم النبین کے مقابلہ میں زیادہ فصیح معلوم نہیں ہوتا۔ اور قرآن مجید میں کوئی ایسا لفظ استعمال نہیں ہوا جو غیر فصیح ہو۔ دوسرا اللہ تعالےٰ کو چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دونوں فضیلتیں یعنے آپکا آخر ہونا اور افضل ہونا دکھلانا مقصود تھیں اِس لئے خاتم النبین کا لفظ استعمال فرمایا گیا۔

اور اگر اللہ تعالےٰ کو اس میں کوئی بھید رکھنا منظور تھا۔ تو پھر اِس بھید کا کیا حل ہے کہ اللہ تعالےٰ نے جب قرآن مجید کو نور۔ ہدایت اور فرقان فرمایا۔ اور یہ بھی فرمایا۔ کہ رسولوں پر ایمان لانے اور ان کی اطاعت کرنے میں تمہاری فلاح ہے۔ اور گذشتہ بہت سے انبیاء کی تفصیل بھی بیان فرمادی لیکن آئندہ آنیوالے نبیوں کے متعلق نہ کوئی صراحت فرمائی اور نہ یہ فرمایا کہ ان پر بھی ایمان لانا فرض ہوگا۔ تو پھر قرآن کیونکر نور اور ہدایت ٹھیرا۔

مدعا علیہ کے ایک گواہ کا بیان ہے۔ کہ جس حدیث میں آخر الانبیاء کا لفظ آیا ہے وہ خبر واحد ہے۔ جو ظن کا مرتبہ رکھتی ہے۔ اور عقائد میں ظنیات کام نہیں دیتے۔

لیکن افسوس کہ یہ کہتے وقت اُسے شاید اپنے طریق استدلال پر نظر نہیں رہی۔ کہ وہ کہاں تک قطعیات کی رُو سے بحث کر رہا ہے۔

اسطرح اُس نے ان احادیث کی بہت سی تاویلیں کی ہیں۔ جن میں حضور کے متعلق آخر کے الفاظ پائے جاتے ہیں۔ اور عربی۔ فارسی۔ اردو شعراء۔ اور مصنفین کے اقوال کے حوالوں سے یہ دکھلایا ہے۔ کہ لفظ آخر اکثر بمعنے کمال استعمال ہوتا ہے۔ لیکن جیسا کہ اوپر درج کیا گیا ہے۔ یہ تمام بحث ایک علمی دلچسپی کے سوا اور کوئی حیثیت نہیں رکھتی کیونکہ یہاں بحث عقائد سے ہے نہ کہ الفاظ کے معنےٰ سے۔ اور چونکہ الفاظ زیر بحث سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا آخری ہونا بھی پایا جاتا ہے۔ اِس لئے اِس معنے پر ہی آجتک اُمت کا عقیدہ چلا آیا ہے۔ اور یہ عقیدہ جیسا کہ اوپر دکھلایا گیا ہے اسلام کے اہم اور بنیادی مسائل میں سے ہے۔ اِس لئے اِس عقیدہ کو تبدیل کرانا کسی ادیب۔ عالم مفتی یا قاضی کا کام نہیں۔ بلکہ یہ عقیدہ سوائے اس شخص کے جو مامور من اللہ ہو۔ اور کوئی تبدیل نہیں کرا سکتا۔ اِس پر پیچھے کافی بحث ہو چکی ہے۔ کہ آیا مرزا صاحب نبی اور مامور من اللہ ہیں یا نہ۔ اور آخیر نتیجہ میں بھی اس پر بحث کیجائیگی۔

مدعا علیہ کیطرف سے شیخ محی الدین ابن عربی اور دیگر بزرگان کے اقوال نقل کئے جا کر یہ دکھلایا گیا ہے۔ کہ اِن کے نزدیک بھی نبوت مرتفع ہونیسے یہ مراد ہے۔ کہ شریعت والی نبوت مرتفع ہو گئی۔ نہ کہ مقام نبوت۔ اور کہ وہ حضور کے قول لا نبی بعدی کا یہ مطلب سمجھتے ہیں۔ کہ آپکے بعد کوئی ایسا نبی نہیں ہوگا۔ جو آپ کی شریعت کے خلاف ہو۔ بلکہ جب بھی ہوگا۔ آپ کی شریعت کے ماتحت ہوگا۔

مدعیہ کیطرف سے ان اقوال کی توضیح بیان کیگئی ہیں۔ اور ان بزرگان کے دیگر اقوال سے یہ دکھلایا گیا ہے۔ کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آخری نبی ہونیکے قائل تھے۔ لیکن قطع نظر اس کے یہ ممکن ہے۔ کہ یہ اقوال لکھتے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ان لوگوں کے ذہن میں ہو۔ اور اس لئے یہ کہا گیا ہو کہ آپ کے بعد جب بھی کوئی نبی ہوگا وہ آپ کی شریعت کے ماتحت ہوگا۔ اس کا فیصلہ تو ان کی کتابوں سے دیکھنے سے پوری طرح کیا جا سکتا ہے۔

اِن حوالوں کو چونکہ اِس فیصلہ میں بحث سے نظرانداز کر دیا گیا ہے۔ اِس لئے ان پر زیادہ رائے زنی کی ضرورت نہیں۔ اور اگر ان تحریروں کا مطلب مدعاعلیہ کے ادعا کے مطابق بھی صحیح تسلیم کر لیا جاوے۔ تو پھر دیکھنا یہ ہے۔ کہ آیا یہ اُنکی ذاتی رائے ہے یا اُمت کا عقیدہ۔ اگر ان تحریروں کے بعد اُمت نے اپنا عقیدہ تبدیل نہیں کیا۔ اور ان کا عقیدہ جوں کا توں رہا ہے۔ اور اس میں ذرا بھر فرق نہیں آیا۔ تو پھر یہ تحریریں ان کی ذاتی اور شخصی رائے کے سوا اور کوئی وقعت نہیں رکھتیں۔ اور اگر ان کے یہ اقوال ان کا کشف بھی سمجھے جاویں۔ تو بھی جیسا کہ سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ نے کہا ہے۔ دین کے معاملہ میں وہ دوسروں پر کوئی حجت نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ دینی معاملات میں سوائے نبی کی وحی کے اور کوئی بات قطعی نہیں ہے۔

رسول اللہ صلعم کی دوسری حدیث پر جس میں آنجناب نے بنی اسرائیل کے نبیوں کے متعلق کہا ہے۔ کہ جب ان میں ایک نبی فوت ہوتا تھا۔ تو فوراً اس کا خلیفہ نبی ہوتا تھا۔ مدعاعلیہ کیطرف سے یہ کہا گیا ہے کہ یہاں حضور کی مراد بعدیت متصلہ ہے۔ یعنے آپ کے فوراً بعد ایسا نہیں ہوگا۔ اور اُمت محمدیہ میں فوراً نبی کی ضرورت نہ ہوگی۔ لیکن اوّل تو اس حدیث کے یہ معنے تاویلی ہیں دوسرا نہیں کہا جاسکتا کہ تیرہ سو سال کے عرصہ میں ایسا کوئی زمانہ نہیں آیا۔ کہ جس میں نبی کی ضرورت محسوس نہ کیگئی ہو۔ علاوہ ازیں مرزا صاحب کے لئے مدعاعلیہ جس قسم کی نبوت ثابت کرنا چاہتا ہے۔ اُس کی اس معنے سے تائید نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس کے نزدیک مرزا صاحب کو جو نبوت ملی وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کمال اتباع اور فیض سے ملی ہے۔ اور یہ پایا جاتا ہے۔ کہ حضور کے زمانہ میں ہی حضرت عمر حضور کے ایسے متبعین میں سے تھے۔ کہ جنکی زبان پر فرشتے کلام کرتے تھے۔ اور ان کی بابت حضور نے یہ بھی فرمایا۔ کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا۔ تو حضرت عمرؓ ہوتے اور یہ بھی کہا کہ اگر میں مبعوث نہ ہوتا تو حضرت عمر مبعوث ہوتے۔ تو کیا حضرت عمر سے بڑھکر اس وقت حضور کے اتباع کے لحاظ سے کوئی شخص نبوت کا مستحق ہو سکتا تھا۔ لیکن مدعاعلیہ کی مذکورہ بالا صراحت کے مطابق وہ حضور کے بعد اس لئے نبی نہ بنے کہ اُس وقت نبی کی ضرورت نہ تھی۔

اِس سے یہ معلوم ہوا کہ حضور کے اتباع سے نبوت مِلنے کیساتھ مشیت میں یہ بھی مقدر ہے۔
کہ اِس قسم کی نبوت اُس وقت دیجاوے۔ جس وقت کہ اِس کی ضرورت ہو۔ اور اِس سے مدعا علیہ
کے اِس اصول کی نفی ہو جاتی ہے۔ کہ حضور کے کمال اتباع اور فیض سے نبوت ملسکتی ہے
کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو ضرور ہے۔ کہ حضرت عمر کو نبوت عطا ہو جاتی۔ کیونکہ وہ نہ صرف کامل متبعین
میں سے تھے۔ بلکہ حضور کے خاص مورد الطاف تھے۔ اور جیسا کہ حضور کے الفاظ سے اخذ ہوتا ہے
حضور یہ چاہتے تھے۔ کہ وہ نبی ہوں۔ لیکن چونکہ آپ کے بعد نبوت منقطع ہو چکی تھی۔ اسلئے
آپنے فرمایا کہ حضرت عمر نبی نہیں ہو سکتے۔

مدعا علیہ کیطرف سے اِس حدیث کو کہ میرے بعد اگر نبی ہوتا۔ تو عمر ہوتے۔ ضعیف کہا گیا ہے۔
اور پھر اِس ضمن میں لفظ بعد کے بہت سے تاویلی معنے کئے گئے ہیں اور شاید اس لئے کہ یہ
حدیث مدعا علیہ کے منشاء کے بالکل مخالف تھی۔ حدیث کے الفاظ ایسے مبہم نہیں کہ ان کے
مفہوم کے لئے کسی تاویل کی ضرورت ہو۔ ان سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ وہاں بعد سے کیا مراد ہے۔
ختم نبوت کے بارہ میں مدعیہ کیطرف سے جو حدیث بیت النبوت والی پیش کی گئی ہے۔ اسکے
متعلق مدعا علیہ کیطرف سے یہ کہا گیا ہے اس میں من قبلی کے الفاظ ہیں۔ اور ان الفاظ سے
یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ یہ مثال ان انبیا کی نسبت سے ہے۔ جو حضور سے پہلے ہو گذرے ہیں۔
آئندہ کسی نبی کے آنے یا نہ آنیکا اسمیں ذکر نہیں لیکن یہ حجت اس لئے درست نہیں۔ کہ
اِس حدیث میں نبوت کو ایک گھر سے تشبیہ دیگئی ہے۔ اور اس کی تکمیل کے سلسلہ میں یہ کہا گیا ہے
کہ وہ آپ کے وجود باجود سے قبل غیر مکمل تھا۔ آپکے تشریف لانے پر مکمل ہو گیا۔ اگر آئندہ انبیاء
کا سلسلہ جاری رہنا تسلیم کیا جاوے۔ تو پھر اس گھر کی تکمیل لازم نہیں آتی۔ یہ سمجھانے کیلئے
کہ اب سِلسلہ انبیاء میں سے اور کوئی باقی نہیں۔ نبوت کو ایک گھر سے تشبیہ دیگئی۔ اور جیسا کہ گھر
کی چنائی اینٹوں سے کیجاتی ہے۔ اِس بیت نبوت کی چنائی انبیاء سے ہوئی۔ اور جو ایک اینٹ
اِس گھر کی تکمیل کو ناقص بنائے ہوئے تھی۔ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تشریف لانے پر پوری
ہو گئی۔ اِس مثال سے یہ دکھلایا گیا ہے۔ کہ مشیت ایزدی میں جو تعداد انبیاء مقرر تھی۔ وہ آپکے تشریف لانے سے پوری

ہو چکی - اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ آنا بھی یہ ظاہر کرتا ہے - کہ انبیاء کی تعداد میں اب کوئی عدد باقی نہیں رہا - اس لئے سابقہ اعداد میں سے ایک کو واپس لانا پڑا ہے - اس پر مدعا علیہ کیطرف سے یہ اعتراض کیا گیا ہے - کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام کا آنا تسلیم کیا جاوے - تو پھر یہ ماننا پڑیگا - کہ مکان کی تعمیر ادھوری رہ گئی - لیکن یہ حجت اسلئے قائم نہیں رہ سکتی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس مکان کی تعمیر میں پہلے شامل ہو کر اسے مکمل کر چکے ہیں - اور نئے نبی اگر ابھی اور آنے باقی ہوں - تو پھر اس عمارت کی تعمیر مکمل نہیں سمجھی جاسکتی - اس کی تکمیل اسوقت سمجھی جائیگی - جب تمام انبیاء ختم ہو چکیں - اسلئے اسے اسوقت میں مکمل سمجھا جائیگا - جبکہ تمام انبیاء کا سلسلہ ختم نہ ہوئے حضور کا اس عمارت کو اپنی تشریف آوری سے مکمل فرما دینا اس بات کی دلیل ہے - کہ آپکے بعد تعداد انبیاء میں سے اور کچھ باقی نہیں - حضرت عیسیٰ کا آنا ایسا ہے کہ جیسے کوئی شخص اپنے تکمیل شدہ مکان میں سے کچھ اینٹیں اکھاڑ کر بشرط ضرورت دوسری جگہ لگا دے - اس پر یہ کہا جائیگا کہ اس نے اپنے مکان کو اکھیڑا - یہ نہ کہا جائیگا - کہ اس نے مکان کو مکمل نہیں کیا - کیونکہ اس کی تکمیل پہلے ہو چکی تھی -

مدعا علیہ کیطرف سے کہا گیا ہے - کہ مرزا صاحب کا نبی ہونا اس مکان کی تعمیر کا منافی نہیں کیونکہ انہیں حضور کے فیض سے نبوت ملی ہے - اسلئے یہ نبوت اس مکان بیت النبوت کی تکمیل کا سلسلہ شمار ہوگی - ظاہر ہے کہ ایک مکمل چیز پر اگر کوئی اور زائد چیز بطور اضافہ شامل کیجاوے - تو اس سے دو ہی صورتیں پیدا ہونگی - یا تو وہ زائد چیز اس کی زینت کو بڑھا دیگی - یا اُسے بدزیب کر دیگی - اب اگر مرزا صاحب کو بیت النبوۃ پر چسپاں کیا جاوے - تو وہ یا تو اُس کی زینت کو بڑھائیں گے یا اُسے بدزیب کریں گے - اگر سمجھا جاوے کہ اُن سے اس کی زینت بڑھیگی - تو اس سے وہ افضل الانبیاء ہو جاینگے - نہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور یہ بات ان کے اپنے عقیدہ کے بھی خلاف ہے - اب صاف ہے - کہ ان کے اس بیت النبوۃ پر چسپاں ہونیسے دوسری ہی صورت پیدا ہوگی - اور اس گھر کی تکمیل میں وہ زائد از ضرورت ہی رہینگے - اس لیے اس حدیث سے جسکی صحت سے مدعا علیہ کو بھی انکار نہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا آخری نبی ہونا پوری طرح ثابت ہو جاتا ہے -

مدعیہ کیطرف سے ایک اور حدیث کا حوالہ دیا گیا ہے۔ کہ آپ نے فرمایا۔ کہ میری اُمت میں
تیس کذاب ہوں گے انہیں سے ہر ایک اپنے آپ کو نبی خیال کریگا۔ حالانکہ میرے بعد کوئی
نبی نہیں۔ اس کے متعلق مدعاعلیہ کیطرف سے یہ کہا گیا ہے کہ اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔
کہ آپکے بعد قیامت تک جو بھی دعوئے نبوت کرے۔ وہ ضرور جھوٹا ہے۔ کیونکہ آخر زمانہ میں آنیوالے مسیح
موعود کو خود حضور نے بھی نبی اللہ کے لقب سے ملقب فرمایا ہے۔ دوسرا تیس کی تعین بھی بتلا رہی ہے
کہ کوئی سچا بھی استثنائی۔ تیسرا اس حدیث کا مضمون آج سے قریباً پانچسو برس پہلے پورا ہو چکا ہے کیونکہ
۳۰ دجال وکذاب گذر چکے ہیں۔ اس کا جواب ایک تو خود گواہ مدعاعلیہ نے ہی دیدیا ہے۔ کہ اسکے علاوہ
اور بھی حدیثیں ہیں کہ جس میں کذابوں کی تعداد کم و بیش ۔ ۔ تک بیان کی گئی ہے۔ اِس لئے سمجھا جائیگا
کہ حضور نے ۳۰ کی کوئی متعین تعداد بیان نہیں فرمائی۔ بلکہ اس قسم کے اعداد بیان کرنیسے حضور کی مراد
کذابوں کی کثرت بیان کرنیسے تھی۔ کیونکہ اگر مدعاعلیہ کی بحث کی رُو سے یہ قرار دیا جاوے۔ کہ ایسے
کذابوں کی صحیح تعداد ۲۷ ثابت ہوتی ہے۔ تو پھر یہ تسلیم کرنا پڑیگا۔ کہ جو تیس کذاب اِس سے قبل
گذرنے بیان کئے جاتے ہیں۔ ان میں سے تین ضرور سچے ہوں گے۔ لیکن ایسا ثابت نہیں ہوتا۔
اور ان باقیماندہ تین کو بھی دُنیا نے جھوٹا ہی سمجھا۔ اور انہیں بھی کذابوں کی ذیل میں داخل کیا گیا
دوسرا مسیح موعود کے آنے کی استثنا خود حضور نے فرما دی اور ساتھ ہی اس کا نام عیسیٰ ابن مریم
بتلا کر اُسے نام سے ہی مشخص فرما دیا۔ علاوہ ازیں اگر سچے نبی ہو سکتے تھے۔ تو کوئی وجہ معلوم نہیں
ہوتی۔ کہ جہاں حضور نے جھوٹے نبیوں کی آمد اور ان کی تعداد کی اطلاع دی تھی۔ وہاں اِس امر کی
تصریح کیوں نہ فرمائی۔ کہ اس کے بعد سچے نبی بھی آئینگے اور اسقدر آئیں گے۔ ناممکن معلوم ہوتا ہے
کہ اُمت کو ایک گمراہی سے بچا کر دوسری گمراہی میں ڈالدیا جاتا ۔ اور انہیں جھوٹے اور سچے نبی
میں تمیز کرنے کیلئے کوئی معیار نہ بتلایا جاتا۔ اِس لئے یہ حدیث بھی حیثیت ادعا مدعیہ اور
مدعاعلیہ کی حُجت کے منافی ہے۔

لہٰذا اِس تمام بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آخری نبی ہیں۔ اور آپکے

بعد اور کوئی۔ نیا نبی نہیں ہو سکتا۔

اس کے بعد مدعا علیہ کیطرف سے یہ کہا گیا ہے۔ کہ مسیلمہ کذاب وغیرہ کاذب مدعیان نبوۃ کے جو حوالے مدعیہ کیطرف سے پیش کئے گئے ہیں۔ اور یہ کہا گیا ہے۔ کہ انہیں اس بناء پر قتل کیا گیا۔ کہ انہوں نے دعوئے نبوت کیا تھا۔ یہ درست نہیں ہے کیونکہ ان لوگوں کیساتھ صحابہ کا جنگ کرنا محض اس وجہ سے تھا۔ کہ انہوں نے بغاوت کی تھی۔ اور اسلامی حکومت کا مقابلہ کر کے خود بادشاہ بننا چاہا تھا۔ اور نبوت کے دعوے کو اس کے حصول کیلئے انہوں نے صرف ایک ذریعہ بنایا تھا۔ اگر مدعا علیہ کا یہ ادعا درست بھی سمجھ لیا جاوے۔

تو چونکہ اُس کے ساتھ ہی وہ یہ بیان کرتا ہے کہ انہوں نے دعوئے نبوت کو حصول حکومت کے لئے ایک ذریعہ بنایا تھا۔ تو اُس سے یہ نتیجہ بھی نکالا جا سکتا ہے۔ کہ جس بناء پر وہ اپنے آپ کو حکومت کا حقدار سمجھتے تھے۔ صحابہ نے اُسے بھی نادرست سمجھا تھا۔ اگر صحابہ کے ذہن میں یہ ہوتا کہ حضور کے بعد نبوت ہو سکتی ہے۔ تو وہ ان کی نبوت کے متعلق پورا اطمینان کرتے۔ اور اس کے بعد ان کے ساتھ جنگ کرنیکا فیصلہ کرتے۔ خلافت ارضی جلیل القدر انبیاء کی نبوت کا ایک جزو لاینفک رہی ہے۔ اور ممکن ہے کہ مذکورہ بالا مدعیان نبوت خلافت ارضی کو لوازمات نبوت میں سے سمجھتے ہوئے دعوئے نبوت کے بعد اس کے لئے کوشاں ہوئے ہوں۔ تو اس صورت میں صحابہ کا ان کیساتھ جنگ کرنا دعوئے نبوت کی بناء پر متصور ہوگا۔ نہ کہ بغاوت کی بناء پر کیونکہ انہیں باغی مرتد اور کافر قرار دیا جا کر سمجھا گیا۔

اس سلسلہ میں مزید کسی بحث کی ضرورت نہیں۔ مدعا علیہ نے اپنی بحث میں آگے یہ دکھلایا ہے کہ مرزا صاحب نے ظلی اور بروزی کی اصطلاحات یہ دکھانے کے لئے قائم کی ہیں کہ جس قسم کی نبوۃ کے وہ مدعی ہیں۔ وہ شریعت والی نبوت نہیں اور نہ اُس سے قرآن مجید کا منسوخ ہونا لازم آتا ہے بلکہ آپ کا مطلب اُن سے صرف یہ تھا کہ ان کو بلا واسطہ نبوت نہیں ملی۔ بلکہ آنحضرت صلعم کے اتباع اور آپ میں فنا ہو کر اور آپ کی غلامی میں یہ مرتبہ نبوت ملا ہے۔ اس لئے آپنے اپنے آپ کو ظلی نبی

لکھا تا کہ آئندہ لوگ نبی کا لفظ سُن کر چونک نہ پڑیں۔ اور اِس ظلی بروزی کے لفظ سے سمجھ لیں کہ آپ ویسے نبی نہیں جو معروف اصطلاح میں لئے جاتے ہیں۔ بلکہ یہ کہ ہر ایک کمال آپ کو آنحضرت صلعم کے اتباع اور ذریعہ سے ملا ہے آپنے صرف اپنی نبوت کی حقیقت سمجھانے کیلئے ظلی۔ بروزی اور اُمتی نبی کی اصطلاحیں مقرر کیں تا کہ لوگ نبی کے لفظ سے دھوکا نہ کھا جائیں اور اصطلاحوں کا قائم کرنا۔ ہر ایک کے لئے جائز ہے۔ بروز وغیرہ کے الفاظ صوفیا نے بھی قائم کئے ہیں۔ مرزا صاحب تناسخ کے اِس معنیٰ میں جس معنیٰ میں کہ اہل ہنود سمجھتے ہیں قائل نہ تھے۔ اِن کے اِس قول سے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی خُو۔ طبیعت اور مشابہت کے لحاظ سے ...... عبداللہ پسر عبدالمطلب کے گھر جنم لیا۔ سے یہ مُراد نہیں کہ آنحضرت کی پیدائش حضرت ابراہیم ہی کی پیدائش تھی۔ چنانچہ انہوں نے تریاق القلوب صفحہ ۱۵۵ پر وجود دورو یہ کی تفسیر خود ہی بیان کی ہے۔ اور تناسخ کے مسئلہ کا رد مرزا صاحب نے اپنی بہت سی کتابوں میں کیا ہے۔ مہدی موعود کی بروزی نبوت کے متعلق مدعیہ کے گواہ مولوی نجم الدین صاحب نے جو اعتراض کیا ہے۔ اس کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ اس نے اِس حوالہ کے آگے کی عبارت نہیں پڑھی۔ اس میں خاتم الاولاد کا مطلب یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اِس کے خاتمہ کے بعد نسل انسان کوئی کامل فرزند پیدا نہیں کریگی۔ باستثناء اِن فرزندوں کے جو اس کی حیات میں ہوں۔

سوائے ظلی اور بروزی اصطلاحات کے باقی تمام بحث فروعی امور کے متعلق ہے۔ جن کا امر مابالنزاع پر چنداں کوئی اثر نہیں پڑتا لیکن اِس کے جواب میں اگر مدعیہ کی بحث کو جو اوپر بیان کیجا چکی ہے دیکھا جاوے تو اس سے یہ نتیجہ درست طور بر آمد ہوتا ہے کہ ظلی اور بروزی اور اُمتی وغیرہ کی اصطلاحات محض الفاظ ہی الفاظ ہیں۔ دراصل مرزا صاحب کا دعویٰ حقیقی نبوت کے متعلق ہی تھا۔ جیسا کہ اس کی تشریح بعد میں ان کے خلیفہ ثانی کی تحریر میں جس کا حوالہ اُوپر گذر چکا۔ کیگئی ہے۔ خلیفہ صاحب کی اِس تحریر کے متعلق مدعا علیہ نے ان کی ایک اور

تحریر کا حوالہ دیتے ہوئے یہ کہا ہے کہ وہ لکھتے ہیں کہ میں نے مثال کے طور پر لکھا تھا کہ اگر حقیقی نبی کے یہ معنے کئے جاویں کہ وہ بناوٹی یا نقلی نبی نہ ہو۔ تو ان معنوں کی رو سے حضرت مسیح موعود کو میں حقیقی نبی مانتا ہوں یعنی صادق اور منجانب اللہ اور غیر تشریعی نبی مانتا ہوں۔ لیکن اس سے ان کی وہ تحریر جسکا حوالہ مدعیہ کیطرف سے دیا گیا ہے رد نہیں ہوتی۔ وہ تحریر بذاتہ ایسی ہے کہ جس سے خود ایک مستقل مفہوم پیدا ہوتا ہے۔ اس میں انہوں نے مرزا صاحب کے حقیقی نبی ہونیکا ثبوت دینے کی بھی آمادگی ظاہر کی ہے۔ اور پھر ساتھ ہی یہ کہا کہ انہوں نے ظلی بروزی کے الفاظ محض بطور انکسار استعمال فرمائے ہیں۔ اور کہ اس قسم کی فروتنی نبیوں کی شان میں داخل ہے انکے ان الفاظ کی مدعا علیہ کیطرف سے کوئی تردید نہیں کیگئی۔ اور نہ انکی کوئی تردید ہوسکتی ہے۔ مرزا صاحب نے اپنے ایک اعلان میں یہ لکھا ہے کہ خدا نے مجھے آنحضرت صلعم کا وجود ہی قرار دیا۔ اسلئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بروزات کے سلسلہ میں مرزا صاحب کے جن اقوال کا حوالہ گواہان مدعیہ کے بیانات میں دیا گیا ہے اور ان سے جو نتائج انہوں نے برآمد کئے ہیں۔ اور جو ان کی بحث میں اوپر بیان کئے جاچکے ہیں۔ ان سے واقعی یہ اخذ ہوتا ہے۔ کہ مرزا صاحب اپنے ان اقوال میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اس قسم کا جنم مراد لیتے ہیں کہ جو بطریق تناسخ سمجھا جاتا ہے۔ نہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خو۔ طبیعت اور دیگر خصائل کے ودیعت ہونیسے۔ ان سوالات پر زیادہ بحث کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ یہ سوالات مرزا صاحب کی اپنی تکفیر سے تعلق رکھتے ہیں جو کہ اس مقدمہ میں ایک ضمنی سوال ہے اس لئے ان کے ایسے عقائد پر کہ جن پر مقدمہ ہذا کے تصفیہ کا زیادہ دارومدار نہیں ہے تفصیلی بحث بلاضرورت ہے۔

ذیل میں مدعا علیہ کیطرف سے مدعیہ کے ان اعتراضات کا جواب درج کیا جاتا ہے جو مرزا صاحب کے دعوے نبوت تشریعیہ کے متعلق عائد کئے گئے ہیں۔

اس کی طرف سے بیان کیا گیا ہے کہ مرزا صاحب نے جہاں اپنے لئے رسول کا لفظ لکھا ہے وہاں انہوں نے اس لفظ کیساتھ کسیجگہ شریعت کا لفظ استعمال نہیں کیا بلکہ انہوں نے صاف لکھا ہے کہ آسمان کے نیچے بجز فرقان حمید اور کوئی کتاب نہیں دعوے نبوت کے متعلق

انہوں نے صاف کہا ہے۔ کہ میں ان معنوں سے نبی ہوں۔ کہ میں نے اپنے رسول مقتدا سے باطنی فیوض حاصل کرکے اور اپنے لئے اس کا نام پا کر اُس کے واسطہ سے خدا کیطرف سے علم غیب پایا ہے۔ رسول اور نبی ہوں مگر بغیر کسی جدید شریعت کے اور جہاں انہوں نے یہ کہا ہے کہ مجھے نبی کا خطاب دیا گیا۔ وہاں آگے یہ الفاظ بھی ہیں۔ مگر اسطرح سے کہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے اُمتی۔

جہاں مرزا صاحب نے یہ کہا ہے کہ وہ اپنی وحی پر اسطرح ایمان لاتے ہیں جسطرح کہ قرآن اور دوسری وحیوں پر۔ اس سے ان کا صاحب شریعت نبی ہونیکا دعوٰے اخذ نہیں ہوتا۔ بلکہ اس قسم کے اقوال سے یہ مُراد ہے۔ کہ آپ اپنی وحی کو منجانب اللہ اور اُس کے دخل شیطانی اور خطا سے پاک و منزہ ہونے پر کامل یقین رکھتے ہیں۔ اور اس کا وہ اظہار کر رہے ہیں۔ اور یہ اس بات کو مستلزم نہیں کہ آپ صاحب شریعت ہونیکے مدعی ہیں۔

مرزا صاحب نے یہ نہیں کہا کہ میری وحی شرعی اور قرآن کی مثل ہے۔ مرزا صاحب کا اپنی وحی کو مدار نجات ٹھیرانا بھی ان کا مدعی نبوت تشریعیہ ہونا ثابت نہیں کرتا۔ کیونکہ ان کی جو وحی اور تعلیم ہے وہ وہی تعلیم ہے۔ جو عین قرآن مجید اور اسلام کی ہے۔ لیکن اتنی بات ضرور ہے۔ کہ اب قرآن مجید کی اس تعلیم پر کار بند ہو کر وہی نجات پا سکتا ہے۔ جو آپ کے حلقہ بیعت میں داخل ہو دوسرا نہیں۔ مرزا صاحب نے یہ نہیں فرمایا کہ میری وحی میں کوئی نئی شریعت ہے یا میری وحی ناسخ شریعت محمدیہ ہے۔ بلکہ فرمایا ہے کہ شریعت محمدیہ کے ہی بعض ضروری احکام کی تجدید ہے۔ قرآن مجید کی بیسوں آیتیں دوبارہ امت محمدیہ کے اولیاء اللہ پر نازل ہوئیں۔ اسیطرح مرزا صاحب پر قرآن مجید کے بہت سے اوامر و نواہی نازل ہوئے اور انہی کے متعلق مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ میری وحی میں امر بھی ہے اور نہی بھی۔

مرزا صاحب کے قول ۶ مذکورہ بالا کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ اولیاء امت نے اس امر کو تسلیم کیا ہے کہ شریعت محمدی کے اوامر و نواہی کا بطور تجدید کے کسی بزرگ پر نازل ہو جانا جائز ہے

صرف ایسے اوامر و نواہی کا جو شریعت محمدیہ کے مخالف ہوں۔ اور آنحضرت صلعم کی پیروی کا نتیجہ نہ ہوں۔ اُترنا ممنوع ہے۔ اس قول میں مرزا صاحب نے صاحب شریعت کا لفظ صرف مخالفین کے مقابل پر بطور الزام استعمال کیا ہے۔ اور فرضی طور پر معترضین کو ملزم کرنے کیلئے فرماتے ہیں۔ کہ یہ عذر بھی مخالفین کا باطل ہے۔ کیونکہ شریعت اوامر و نواہی کا نام ہے اور میرے الہامات میں امر اور نہی دونو موجود ہیں۔

قول ع۱۲ کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ اس سے جو مرزا صاحب کے صاحب شریعت نبی ہونیکا استدلال کیا گیا ہے۔ وہ درست نہیں کیونکہ اس جگہ انہوں نے صرف صاحب شریعت نبی محدث اور ملہم کے انکار کا حکم بیان کیا ہے۔ اور دوسرے انبیاء جو شریعت یا احکام جدیدہ نہیں لائے۔ ان کا حکم اس عبارت میں مذکور نہیں۔ اس سے گواہان مدعیہ نے جو نتیجہ نکالا ہے وہ مرزا صاحب کی دوسری تحریروں کے مخالف ہے۔ کیونکہ دوسری جگہ مرزا صاحب نے کہا ہے کہ میری مراد نبوت سے یہ نہیں ہے کہ میں آنحضرت صلعم کے مقابلہ پر کھڑا ہو کر نبوت کا دعوے کرتا ہوں۔ یا کوئی نئی شریعت لایا ہوں۔ صرف میری مراد نبوت سے کثرت مکالمت و مخاطبت الٰہیہ ہے۔ اور دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ جو شخص مجھے نہیں مانتا وہ اسوجہ سے نہیں مانتا کہ وہ مجھے مفتری قرار دیتا ہے۔ اور اللہ تعالے فرماتا ہے کہ خدا پر افترا کرنیوالا سب کافروں سے بڑھکر کافر ہے۔ پس جبکہ میں نے ایک مکذب کے نزدیک خدا پر افترا کیا تو اس صورت میں میں نہ صرف کافر بلکہ بڑا کافر ہوا اور اگر میں مفتری نہیں تو بلا شبہ وہ کفر اس پر پڑے گا۔

مرزا صاحب کے مدعی صاحب شریعت ہونیکی بابت مدعیہ کیطرف سے جو ان کے ماہواری چندہ دیئے جانیکے حکم کا حوالہ دیا جا کر بحث کیگئی ہے۔ اس کے متعلق مدعا علیہ کا یہ جواب ہے کہ وہ کوئی نیا حکم نہیں اور نہ اس میں تعمیل نہ کرنیوالے کے متعلق کافر۔ مرتد یا ملعون وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں بلکہ یہ حکم قرآن مجید کی تعلیم کے مطابق ہے۔ کیونکہ قرآن مجید

میں اللہ تعالےٰ نے انفاق فی سبیل اللہ پر بہت زور دیا ہے۔ مرزا صاحب نے اس قرآنی
تعلیم کے ماتحت فرمایا۔ کہ ایسا شخص جو راہ خدا میں خرچ نہیں کرتا۔ اور باوجود مقدرت ۳۔
۴ ماہ تک اس ربانی حکم سے غافل رہتا ہے اور کچھ پرواہ نہیں کرتا تو اس کا سلسلہ سے
کوئی تعلق نہیں۔ اور گواہان مدعیہ کا یہ کہنا کہ زکوٰۃ نہ دینے والے کے متعلق ایسا حکم نہیں ہے
درست نہیں۔ کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ان لوگوں کے متعلق
جنہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تھا۔ فرمایا کہ اللہ کی قسم کہ اگر انہوں نے ایک معمولی رسی
بھی جس سے اونٹ باندھا جاتا ہے اور جسے وہ رسول اللہ صلعم کے وقت میں ادا کرتے تھے
روکی تو میں ان سے قتال کروں گا دیکھئے کہ زکوٰۃ میں سے کچھ حصہ ادا نہ کرنے پر کتنی سخت
سزا مقرر کیگئی۔ ان دلائل کے زیادہ تفصیلی جوابات دینے کی ضرورت نہیں۔ انکو اگر گواہان
مدعیہ کی پیش کردہ دلائل کی روشنی میں دیکھا جائیگا۔ تو ان کا ابطال خود بخود ہی ثابت ہو
جائیگا۔ تاہم ان کے مختصر اجوابات درج کئے جاتے ہیں۔ رسول کی تعریف خود گواہ مدعا علیہ نے
یہ کی ہے کہ جو صاحب کتاب ہو۔ اور نبی عام ہوتا ہے۔ چاہے کتاب لائے یا نہ لائے۔ اب
مرزا صاحب کے اپنے آپ کو رسول کہنے سے یہی مراد لیجائیگی کہ وہ صاحب کتاب نبی ہیں۔ علاوہ
ازیں جو وحی کہ دخل شیطانی سے منزہ قرار دیجاوے تو وہ منجانب اللہ ہونیکی وجہ سے اسیطرح
قطعی ہوگی۔ جیسا کہ دیگر انبیاء کی وحی۔ چنانچہ مرزا صاحب خود بھی فرماتے ہیں کہ اگر ان کی
وحی کو جمع کیا جاوے تو وہ کئی جزیں بنجائے۔ اب اس قسم کی وحی اگر کتابی صورت میں نہ
بھی لائیجائے تو بھی کتاب اللہ کہلائیگی۔ کیونکہ اس میں اللہ تعالےٰ کیطرف سے اوامر و نواہی
بیان کئے جاتے ہیں۔ مرزا صاحب کی ایسی وحی جس میں شریعت محمدیہ کے اوامر و نواہی
کی تجدید ہے بہت تھوڑی ہے۔ اس کے علاوہ ان کی جو دیگر وحی ہے اس کی قطعیت
کے لحاظ سے اس پر بھی اسیطرح ایمان لانا ضروری ہوگا۔ جیسا کہ قرآن مجید پر اور وہ بھی
شریعت کا جزو تصور ہوگی۔ اس لئے اگر مرزا صاحب نے رسول کے لفظ کیساتھ شریعت کا

لفظ استعمال نہیں کیا تو بھی ان کی تصریحات سے یہی سمجھا جائیگا۔ کہ وہ صاحب شریعت رسول ہیں چاہے وہ صاف الفاظ میں یہ کہیں یا نہ کہیں۔ ان کے دیگر اقوال سے نتیجہ یہی برآمد ہوتا ہے۔ جو اُوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ ان کے دیگر اقوال جن میں انہوں نے اپنی نبوت کی تشریح کی ہے یا یہ کہا ہے کہ جدید شریعت نہیں لائے۔ ان اقوال کا کہ جن سے مذکورہ بالا نتائج اخذ ہوتے ہیں۔ رد نہیں بن سکتے کیونکہ جیسا کہ شروع بحث میں دکھلایا گیا۔ جو اقوال کہ اپنے اندر مستقل مفہوم لئے ہوئے ہیں ان کے مطالب وہی سمجھے جائیں گے جو ان اقوال کی اپنی طرز بیاں سے اخذ ہوتے ہیں اور تا وقتیکہ اس بات کی صراحت نہ ہو کہ وہ اقوال واپس لئے جا چکے ہیں۔ دیگر اقوال نہ ان کے قائمقام بن سکتے ہیں اور نہ انکی تشریح

مرزا صاحب چاہے یہ کہیں یا نہ کہیں کہ ان کی وحی شرعی اور قرآن کی شکل ہے وہ جب اُسے دخل شیطانی سے پاک سمجھتے ہیں اور دوسروں پر حجت قرار دیکر اُسے مدار نجات ٹھیرائے ہیں۔ اور اپنے نہ ماننے والے کو بھی کافر سمجھتے ہیں اور بقول گواہ مدعاعلیہ اب آئندہ کیلئے مرزا صاحب کی بیعت میں داخل ہونا بھی ضروری ہے تو پھر کیونکر کہا جاسکتا ہے۔ کہ انکی وحی شرعی نہیں۔ خصوصاً جبکہ صاحب شریعت کی تعریف بھی خود مرزا صاحب یہ کرتے ہیں کہ جس نے اپنی وحی کے ذریعہ چند امر و نہی بیان کئے اور اپنی اُمت کے لئے ایک قانون مقرر کیا۔ وہی صاحب شریعت ہوگیا۔ اور پھر آگے یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ ضروری نہیں کہ وہ اوامر و نواہی نئے ہوں۔ ان کی اس تعریف کی رُو سے صاف قرار دیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی وحی کو شرعی وحی سمجھتے ہیں اور جب وہ شرعی وحی ہوئی تو اس پر ایمان لانا اسیطرح واجب ہوا۔ جیسا کہ قرآن مجید پر۔ یہ ضرور ہے کہ قرآن مجید کی آیات کا نزول دیگر اولیاء اللہ پر بھی ہوتا ہے۔ لیکن ان میں سے کسی نے ان کو اپنے اُوپر چسپاں نہیں کیا۔ اور نہ ان کو دوسروں پر بطور حجت پیش کیا ہے۔ اس لئے دیگر اولیاء اللہ کی مثال مرزا صاحب کے مقابلہ میں پیش نہیں کیجا سکتی۔

قول ۸ میں صاحبِ شریعت کے الفاظ مرزا صاحب کیطرف سے فرضی طور پر استعمال نہیں کئے گئے۔ جیسا کہ مدعاعلیہ کا دعویٰ ہے۔ بلکہ بڑی شد و مد سے صاحب شریعت کی تعریف کیجا کر اپنا صاحب شریعت ہونا دکھلایا گیا ہے۔ اِس قول کی عبارت پڑھنے سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ وہاں صاحبِ شریعت کے الفاظ فرضی ہیں یا اصلی اس قول کی مزید تائید پھر قول ۱۲ سے ہوتی ہے۔ اِس قول کے مرزا صاحب کے دیگر اقوال کے متناقض ہونیکو خود گواہ مدعاعلیہ نے بھی مانا ہے۔ اور مرزا صاحب کے دیگر اقوال سے اِس نقیض کو رفع کرنیکی کوشش کی ہے لیکن یہ قول بذاتہٖ کسی شرح کا محتاج نہیں۔ اور اپنا مفہوم آپ ہی بیان کر رہا ہے۔ اِس قول میں مرزا صاحب نے اپنی عظمت اور شان دکھلا کر یہ ثابت کیا ہے کہ وہ صاحب شریعت نبی ہیں۔ اور اپنے دعوےٰ کے انکار کرنے والوں کو وہ اِس بناء پر کافر کہتے ہیں یہ ان کی طرف سے ایک دوسری توجیہ ہے۔ کہ وہ اُس شخص کو جو انہیں نہیں مانتا اِس بناء پر کافر کہتے ہیں کہ وہ انہیں مفتری سمجھتا ہے۔ اور چونکہ وہ مفتری نہیں ہیں اس لئے وہ کفر اس پر لوٹتا ہے۔

مرزا صاحب نے اپنی جماعت کو جو ماہواری چندہ دینے کا حکم دیا ہے۔ اور اِس سلسلہ میں اُنکی طرف سے جو فرمان شائع ہوا ہے اور جس کا حوالہ اُوپر دیا جا چکا ہے اس کے ملاحظہ سے پایا جاتا ہے۔ کہ انہوں نے یہ حکم اللہ تعالےٰ سے مطلع ہو کر دیا ہے۔ گویا یہ حکم دراصل ان کا حکم نہیں۔ اللہ تعالےٰ کا حکم ہے چنانچہ گواہ مدعاعلیہ بھی تسلیم کرتا ہے۔ کہ یہ ایک ربانی حکم ہے۔ اور اِس ربانی حکم کی تعمیل نہ کرنیوالے کو مرزا صاحب نے منافق کہا ہے۔ اب اگر مرزا صاحب نے صاف الفاظ میں یہ نہیں کہا کہ وہ مرتد اور ملعون ہے تو اس سے اُن کے اس حکم کے نتیجہ پہ کہ وہ منافق ہے۔ کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ کیونکہ منافق کو خداوند تعالےٰ نے کافروں کی ذیل میں شامل کیا ہے۔ بلکہ بہت بڑا کافر کہا ہے۔ اِس لئے ظاہر کر سوائے اُسکے کہ اُسے مرتد اور

ملعون سمجھا جائے۔ اور کیا کہا جائیگا۔ کیونکہ اس کا بیعت سے خارج ہو جانا بھی مثل ارتداد ہی
اگر مرزا صاحب کے باوجود اُسے منافق کہنے اور بیعت سے خارج کرنے کے گواہ مدعا علیہ
کے نزدیک پھر بھی وہ مسلمان رہتا ہے۔ تو اس کے یہ معنے ہیں کہ وہ مرزا صاحب کو نبی اللہ
نہیں مانتا۔ کیونکہ نبی کے حکم کی تعمیل عین خدا کی تعمیل ہوتی ہے۔ اور اس کی ناراضگی
موجب غضب الٰہی معلوم ہوتا ہی کہ یہ حکم دیتے وقت مرزا صاحب نے بھی اپنے مرتبے
کو پوری طرح مد نظر نہیں رکھا۔ اور اپنی طاقت کیساتھ خدا کی طاقت کو بھی شامل کرنے
کے باوجود قاصر کو صرف یہی سزا دے سکتے ہیں۔ کہ اُسے سلسلہ بیعت سے خارج کر دیا
جائیگا۔ حالانکہ خُدا نے نبی کی وہ شان بنائی ہے کہ اس کے حکم کی عدم تعمیل تو بجائے خود اُس کے آگے
اُونچا بولنے سے بھی تمام اعمال کے ضائع ہو جانیکا اندیشہ ہوتا ہے۔ اور عدم تعمیل احکام تو دین و دنیا
میں کہیں کا نہیں چھوڑتی۔ اس سلسلہ میں مدعیہ کیطرف سے یہ درست کہا گیا ہے۔ کہ زکوٰۃ کے
متعلق بھی اس قسم کا کوئی شرعی حکم نہیں۔ جس حکم کا حوالہ گواہ مدعا علیہ نے دیا ہے وہ رسول اللہ صلعم
کے خلیفۂ اول کا ہے نہ کہ خُدا اور اُس کے رسول کا۔ گواہ مدعا علیہ کا اِس بارہ میں مرزا صاحب کا
حضرت ابوبکر صدیق کے ساتھ مقابلہ کرنا مرزا صاحب کے مرتبہ کی اور بھی تنقیص ظاہر کرتا ہے۔ ایکطرف تو وہ انہیں نبی
مانتا ہے۔ اور پھر انکو احکام کے مقابلہ میں ایک غیر نبی کے احکام پیش کرتا ہے۔ یہ معمہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ان لوگوں نے مرزا صاحب کو
باوجود نبی ماننے کے اُنکی کیا شان سمجھ رکھی ہے۔ کچھ شک نہیں کہ مرزا صاحب کا یہ حکم زکوٰۃ پر مستزاد ہونیکی وجہ سے ایک نیا حکم ہے
اور اس بنا پر مرزا صاحب اپنی بیان کردہ تعریف کی رو سے بھی شرعی نبی ہوئے پھر حکم انفاق فی
سبیل اللہ کی ترغیب نہیں بلکہ اللہ تعالےٰ کے حکم کی تعمیل میں نافذ ہونا بیان کیا گیا ہے۔
اور خود مدعا علیہ کیطرف سے اُسے ایک ربانی حکم ہونا مانا گیا ہے۔ اور پھر اُس کی سزا بھی محض
دنیاوی مقرر نہیں بلکہ قاصر کو منافق قرار دیا جا کر اور مرتد بنایا جا کر اُسے عذاب آخرت کا مستوجب
قرار دیا گیا ہے۔ تو ان حالت میں کیونکر کہا جا سکتا ہے۔ کہ یہ کوئی شرعی حکم نہیں۔ بلکہ محض انفاق
فی سبیل اللہ میں ایک ترغیب ہے۔ اگر نبیوں کے احکام کی اسطرح تعبیر کیجانی لگے۔ تو پھر

نبی اور رسولوں کے احکام تو بجائے ماننا احکام خداوندی کی بھی کوئی حقیقت نہیں رہتی۔ اور نبوت کا تمام سلسلہ ہی ایک بے معنی سی چیز دکھائی دینے لگتا ہے۔ لہذا مرزا صاحب کی اِن تحریرات سے جنکا اُوپر حوالہ دیا گیا ہے یہ نتیجہ درست طور اخذ کیا گیا ہے۔ کہ وہ صاحبِ شریعت نبی ہونیکے بھی دعویدار ہیں۔ گو بعد میں انہوں نے اپنے اِس دعوے میں کامیاب ہونیکی صورت دیکھکر اس پر زیادہ زور نہیں دیا۔ اور اپنے ان اقوال کی جن سے اُن کے صاحبِ شریعت نبی ہونیکے تابع اخذ ہوتے مختلف توجیہیں شروع کر دیں۔

اِس کے بعد مدعا علیہ کیطرف سے مرزا صاحب کے قیامت۔ نفخِ صور۔ اور حشر اجساد وغیرہ اعتقادات کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ گواہان مدعیہ کیطرف سے اِن عقائد کی نسبت جو اعتراضات وارد کئے گئے ہیں۔ وہ درست نہیں۔ کیونکہ مرزا صاحب نے ان عقائد کی نسبت جو کچھ بیان کیا ہے وہ قرآن مجید اور احادیث کی رُو سے درست ہے۔ ان عقائد کے متعلق زیادہ تفصیلی بحث کی ضرورت نہیں۔ صرف یہ کہدینا کافی ہے۔ کہ اگر مرزا صاحب کو نبی تسلیم نہ کیا جاوے تو پھر تو ان عقائد کے متعلق ان کی رائے ایک ذاتی رائے تصور ہوگی۔ اور اِس سے اختلاف کیا جانا ممکن ہوگا۔ اور اگر انہیں نبی تسلیم کر لیا جاوے تو پھر ان کی رائے تعلیم وحی کا نتیجہ شمار ہو کر قابلِ پابندی ہوگا۔ اور اُس صورت میں اُس سے ذرا بھر اختلاف نہیں ہو سکیگا۔ بلکہ اختلاف کرنیوالا عاصی سمجھا جاویگا۔ انکے نبی ہونے کیصورت میں ان کے یہ عقائد اُمّت کے خِلاف ہونیکی وجہ سے تحقیق طلب ہوں گے۔ اور ممکن ہے کہ اِس صورت میں ان کے خِلاف فتوے کیصورت بھی بدل جائے۔ مگر ان کے مدعی نبوت ہونیکی حالت میں ان کے یہ عقائد جمہور اُمّت کے عقائد کے خِلاف ہونیکے باعث وجوہات تکفیر میں مزید اضافہ کا سبب بن سکیں گے۔

اب ذیل میں توہینِ انبیاء کے سلسلہ میں مُدعیہ کیطرف سے پیش کردہ دلائل کا جو

جواب مدعا علیہ کیطرف سے دیا گیا ہے وہ درج کیا جاتا ہے۔

مدعا علیہ کیطرف سے کہا جاتا ہے کہ مرزا صاحب نے کسی نبی کی توہین نہیں کی کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ جو شخص اپنے آپ کو جن لوگوں سے مشابہت دیتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ میں بھی اس پاک گروہ کا ایک فرد ہوں۔ پھر کیونکر ان کی توہین کر سکتا ہے۔ کیونکہ وہ توہین اس کی اپنی توہین ہو گی۔

اصول کے لحاظ سے تو یہ بات درست ہے۔ لیکن اس کا فیصلہ مرزا صاحب کے اقوال سے ہوتا ہے۔ گواہانِ مدعیہ کے بیانات میں اس کی مفصل بحث پائی جاتی ہے اسلئے یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

مدعا علیہ کیطرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ مرزا صاحب کے جن اشعار کو باعثِ توہین قرار دیا گیا ہے۔ اُس سے کوئی توہین پیدا نہیں ہوتی۔ بلکہ مرزا صاحب کی ان اشعار سے مُراد یہ ہے کہ جو جام عرفان الٰہی اور ایقان ہر نبی کو دیا گیا تھا۔ اور خُداوند تعالےٰ نے وہ پُورے کا پُورا مجھے بھی دیا ہے۔ اور کہ میں اپنی معرفت اور عرفان الٰہی میں اور اپنے یقین میں کسی نبی اور رسول سے کم نہیں ہوں۔ اور یہ کمال جو مجھے حاصل ہوا ہے۔ وہ آنحضرت صلعم کے اتباع سے بطریق وراثت ملا ہے۔

مرزا صاحب پر یہ غلط اتہام لگایا گیا ہے۔ کہ انہوں نے آنحضرت صلعم کی بھی توہین کی ہے۔ بلکہ آپ کی کتب آنحضرت صلعم کی تعریف سے پُر ہیں۔ جن آیات قرآنیہ کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ مرزا صاحب نے اپنے اوپر چسپاں کی ہیں۔ ان کے متعلق مولوی محمد حسین بٹالوی رئیس طائفہ اہلحدیث نے یہ لکھا ہے کہ مرزا صاحب نے یہ دعوےٰ نہیں کیا کہ ان آیات کا مورد نزول ومخاطب وہ ہیں۔ بلکہ ان کو کامل یقین اور صاف اقرار ہے۔ کہ قرآن اور پہلی کتابوں میں ان آیات میں مخاطب و مُراد وہی انبیاء ہیں جن کی طرف ان میں خطاب ہے اور ان کمالات کے محل وہی حضرات ہیں۔ جنکو خُداوند تعالےٰ نے ان کمال کا محل ٹھیرایا ہے۔

لیکن یہ جواب اس وقت کے متعلق ہے۔ جبتک کہ مرزا صاحب نے دعوٰے نبوۃ نہیں کیا تھا۔ مدعا علیہ کیطرف سے کہا گیا ہے۔ کہ مرزا صاحب پر یہ الزام بھی غلط لگایا گیا ہے۔ کہ انہوں نے عین محمد ہونیکا دعوے کیا ہے۔ بلکہ انہوں نے اپنی کتابوں میں صاف طور کہا ہے۔ کہ میں ان کا خادم ہوں۔ اور وہ میرے مخدوم ہیں۔ میں ان کا ظل ہوں۔ اور وہ اصل ہیں۔ میں آپ کی خدمت اور آپ کی شاگردی اور آپ کے اتباع میں اسقدر فنا ہوا ہوں کہ گویا میرا وجود آپ کے وجود سے بلحاظ روحانیت علیحدہ نہیں ہے۔ اور بزرگان دین نے یہ لکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے کامل تبع بسبب کمال متابعت انہیں میں جذب ہو جاتے ہیں۔ اور ان کے رنگ میں ایسے رنگین ہوتے ہیں۔ کہ تابع اور متبوع یعنے نبی اور امتی میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ سوائے اوّل آخر ہونیکے مرزا صاحب نے یہ نہیں کہا کہ میں عین محمد ہوں۔ بلکہ بروزی طور پر فرمایا ہے۔ اور لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کی روحانیت نے ایک ایسے شخص کو اپنے لئے منتخب کیا۔ کہ جو خلق۔ ہمت۔ ہمدردی خلائق میں اس کے مشابہ تھا۔ اور ظاہری طور اپنا نام احمد اور محمد اس کو عطا کیا۔ تا یہ سمجھا جاوے کہ گویا اُس کا ظہور بعینہٖ آنحضرتِ صلعم کا ظہور تھا۔ لیکن صوفیا نے اس مقام کو عینیت کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اس پر بھی مزید کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ اس استدلال کو مدعیہ کے پیش کردہ استدلال کی روشنی میں دیکھا جا سکتا ہے۔

مدعا علیہ کیطرف سے آگے یہ کہا گیا ہے کہ مرزا صاحب کے اِس شعر سے کہ لہٗ خسف القمر المنیر وان لی سے آنحضرت کی توہین نہیں نکلتی کیونکہ اگر مرزا صاحب کے لئے چاند اور سورج کا گرہن نشان ہوا۔ تو وہ اِس لئے کہ احادیث کی کتب میں سچے مہدی کی علامات میں سے یہ قرار دیا گیا ہے۔ پس یہ نشان بھی آنحضرت صلعم کیطرف منسوب ہوگا۔ مگر مدعیہ کا استدلال اسپر نہیں کہ مرزا صاحب نے چاند گرہن کے نشان کو اپنے لئے تجویز کیا ہے۔ بلکہ اس کیطرف سے توہین کا موجب یہ بات سمجھی گئی ہے کہ اس شعر میں رسول اللہ صلعم کے معجزہ شق القمر کا استخفاف کیا گیا ہے۔

رسول اللہ صلعم کے معجزات کے متعلق مدعیہ کیطرف سے مرزا صاحب کے جن اقوال پر اعتراض کیا گیا ہے اُس کا مدعا علیہ کیطرف سے یہ جواب دیا گیا ہے کہ مرزا صاحب نے دوسری کتاب میں جہاں آنحضرت صلعم کے تین ہزار معجزات تبلائے ہیں۔ وہاں اپنی پیشگوئیاں سو کے قریب لکھی ہیں۔ اور آپنے اپنے دس لاکھ ایسے نشانات تبلائے ہیں کہ اگر ویسے نشانات آنحضرت صلعم کے شمار کئے جاویں تو دس ارب سے بھی زیادہ ہوں۔

مدعیہ کیطرف سے یہ کہا گیا ہے کہ چونکہ معجزہ خرق عادات ہوتا ہے اور مرزا صاحب نے اپنے نشانات کے متعلق یہ کہا ہے کہ وہ اول درجہ کے خرق عادت ہیں۔ اس لئے ان نشانات کو بھی معجزات ہی شمار کیا جائیگا۔ ہر دو فریق کے دلائل اس بارہ میں مسل پر موجود ہیں۔ ان سے نتیجہ نکالا جا سکتا ہے۔ کہ صداقت کس میں ہے۔ میں ان سوالات پر اس لئے بھی زیادہ بحث کی ضرورت نہیں سمجھتا کہ یہ سوالات مرزا صاحب کی اپنی ذات کے متعلق ہیں اور امر مابہ النزاع سے ان کا بہت تھوڑا تعلق پایا جاتا ہے۔ اسطرح مدعا علیہ کا یہ ادعا ہے کہ مرزا صاحب نے حضرت یوسف اور حضرت آدم علیہ السلام کی بھی کوئی توہین نہیں کی۔ اس کے بعد پھر اس کیطرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کے سلسلہ میں یہ دکھلایا گیا ہے۔ کہ مرزا صاحب نے جہاں عیسیٰ علیہ السلام پر اپنی فضیلت بیان کی ہے۔ وہ آنحضرت صلعم کے متبع اور امتی ہونیکی وجہ سے کی ہے۔ اور علماء خود مانتے چلے آئے ہیں۔ کہ حضرت موسیٰ نے بھی یہ خواہش کی تھی۔ کہ وہ رسول اللہ صلعم کی امت میں سے ہوں۔ اور دوسرے شعراء اور صوفیا کے اقوال سے یہ دکھلایا گیا ہے۔ کہ وہ بھی رسول اللہ صلعم کے متبع ہونیکے باعث حضرت عیسیٰ پر اپنی فضیلت ظاہر کرتے آئے ہیں۔ مگر اُسے توہین نہیں سمجھا گیا اور اس ضمن میں شیخ محمود الحسن صاحب کے چند اشعار جو انہوں نے مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے مرثیہ میں لکھے ہیں درج کئے جا کر یہ بحث کیگئی ہے۔ کہ ان اشعار سے انبیاء کی توہین نہیں ہوتی۔ تو پھر مرزا صاحب کے اشعار سے کیونکر توہین اخذ کیجاتی ہے۔

اِس کا جواب سید انور شاہ صاحب گواہ مرتیہ نے یہ دیا ہے کہ جو مدعیہ اشعار ہوں۔ وہ تحقیقی نہیں ہوتے۔ بلکہ بشر کی کلام میں اٹکل کے ہوتے ہیں اور شاعرانہ محاورہ نئی نوع کلام کی تسلیم کیا گیا ہے۔ فرق اس میں یہ ہے کہ جو خدا کی کلام ہو گی۔ تو وہ عقیدہ ہو گا اور وہ تحقیق ہو گی۔ اور وہ کسی طرح اٹکل نہ ہو گی حقیقت حال ہو گی۔ نہ کم نہ بیش بشر انتہائی حقیقت کو نہیں پہنچتا تخمینی لفظ کہتا ہے۔ اور دُنیا نے اس کو تسلیم کیا ہے۔ کہ شاعرانہ نوع تعبیر عام الطلاق الفاظ نہیں۔ اور وہ تخمینہ پر عبارت کہہ دیتے ہیں۔ جو اس پاس ہوتی ہے ٹھیک حقیقت نہیں ہوتی۔ اور خود شاعر کی نیت میں اور ضمیر میں منوانا اسکا عالم کو منظور نہیں ہوتا۔

جھوٹے اور شاعر میں یہ فرق ہے کہ جھوٹا کوشش کرتا ہے۔ کہ میری کلام کو لوگ سچ مان لیں اور شاعر کی اصلا یہ کوشش نہیں ہوتی بلکہ وہ خود سمجھتا ہے کہ حاضرین بھی میرے اس کلام کو حقیقت پر نہیں سمجھیں گے۔ بلکہ اگر کوئی حقیقت پر سمجھے تو دوسرے وقت وہ اس کی اصلاح کے درپے ہوتا ہے۔ اور ایسے وقائع دنیا میں بہت پیش آ چکے ہیں۔ مبالغہ شاعروں کے ہاں ہوتا ہے۔ اور یہ ایک قسم ہے کلام کی۔ جو فنونِ علمیہ میں درج ہے۔ اور اس مبالغہ کی حقیقت یہ ہے کہ چھوٹی چیز کو بڑا ادا کرنا اور بڑی چیز کو چھوٹا۔ بشرطیکہ نہ اعتقاد ہو۔ اور نہ مخلوق کو منوانا ہو۔ پس اگر کوئی شخص کوئی ایسی چیز کہتا ہے کہ جس سے مغالطہ پڑتا ہی نبوت کے باب میں اور وہ ساری کوشش اس میں خرچ کرتا ہے تو وہ اور جہاں کا ہے اور حضرت شاعر اور جہاں میں۔

چنانچہ مرزا صاحب اپنی کتاب دافع البلاء کے صفحہ ۲۰ پر لکھتے ہیں کہ یہ باتیں شاعرانہ نہیں بلکہ واقعی ہیں۔ علاوہ ازیں سمجھ میں نہیں آتا کہ مرزا صاحب نے شاعری کا شیوہ کس طرح اختیار فرمایا۔ اور کیوں انہیں اِس معاملہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صفات علیہ سے بطور ظل کے حصّہ نہ ملا۔ کیونکہ حضور کے متعلق قرآن مجید کی سورہ یٰسین میں یہ فرمایا گیا ہے کہ وما علمنٰہ

الشعر وما ینبغی لہ - اور سورۃ شعرا میں شعرا کی مذمت کیجا کر یہ فرمایا گیا ہے کہ الم تر انہم ...... یفعلون - اِس حکم کے تحت میں تو مرزا صاحب کے نہ صرف وہ اقوال جو اشعار میں درج ہیں - بلکہ کوئی قول بھی معتبر نہیں رہتا -

مدعیہ کے اِس اعتراض کے جواب میں کہ مرزا صاحب نے حضرت مسیح کے معجزات کو مسمریزم کی قِسم سے کہا ہے - مدعا علیہ کیطرف سے یہ جواب دیا گیا ہے - کہ میں حضرت مسیح کے اعجازی احیاء اور اعجازی خلق کو مانتا ہوں - ہاں اِس بات کو نہیں مانتا کہ حضرت مسیح نے خُدا تعالیٰ کیطرح حقیقی طور پر کسی مردہ کو زندہ کیا - یا حقیقی طور پر کسی پرندہ کو پیدا کیا - کیونکہ اگر حقیقی طور پر حضرت مسیح علیہ السلام کے مُردہ زندہ کرنے یا پرندے پیدا کرنے کو تسلیم کیا جاوے - تو اِس کو خدا تعالیٰ کی خلق اور اُسکا احیاء مشتبہ ہو جائیگا اور عمل ترب کے متعلق وہ اپنے ایک الہام کے حوالہ سے یہ لکھتے ہیں - کہ یہ وہ عمل الترب ہے - جس کی اصل حقیقت کی زمانہ حال کے لوگوں کو کچھ خبر نہیں - آپ نے اس عمل کو اپنے لئے اسلئے پسند نہ کیا کہ اِس علمی زمانہ میں ایسے معجزات دکھلانیکی ضرورت نہ تھی - اور حضرت مسیح کے متعلق وہ لکھتے ہیں کہ انہوں نے اِس عمل جسمانی کو یہودیوں کے جسمانی اور پست خیالات کیوجہ سے جو ان کی فطرت میں مرکوز تھے - باذن وحکم الٰہی اختیار کیا تھا - ورنہ انہیں بھی یہ عمل پسند نہ تھا -

اِس جواب کے متعلق بھی مزید کسی تشریح کی ضرورت نہیں - ہر دو فریق کیطرف سے اِس بارہ میں جو مواد پیش کیا گیا ہے وہ اوپر دکھلایا جا چکا ہے - اِس سے ہر دو کے دلائل کا موازنہ کیا جا سکتا ہے -

عیسٰی علیہ السلام کی توہین کے متعلق مرزا صاحب کے جو دیگر اقوال ان کی کتب دافع البلاء اور ضمیمہ انجام آتھم وغیرہ سے پیش کئے جا کر یہ دکھلایا گیا ہے کہ انمیں بہت ہی سب وشتم درج ہے - ان کی بابت مدعا علیہ کیطرف سے یہ کہا گیا ہے کہ ان میں عیسائی مخاطب ہیں اور اِن اقوال میں ان لوگوں کے اعتقادات کے مطابق جو ان کی کتابوں میں درج ہیں

انہیں الزامی جواب دئے گئے ہیں اور فنِ مناظرہ میں اس قسم کی روش عام طور پر اختیار کیجاتی ہے۔ اور اس کی تائید میں مدعا علیہ کیطرف سے دیگر علماء کے اقوال نقل کئے گئے ہیں۔ مرزا صاحب کے ان اقوال کو اگر سیاق سباق عبارت سے ملا کر دیکھا جاوے تو مدعا علیہ کا یہ جواب حقیقت سے خالی معلوم نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں ان دشنام آمیز الفاظ کو سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ نے اپنے شہادت میں بسلسلہ توہین عیسیٰ علیہ السلام بیان نہیں کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں موجب ارتداد مرزا صاحب میں اس قسم کی کوئی چیز پیش نہیں کرتا جس میں کہ مجھے نیت سے بحث کرنی پڑے۔ بلکہ میں نے اس چیز کو لیا ہے جسے انہوں نے قرآن کی تفسیر بنایا ہے۔ اور اُسے حق کہا ہے۔ اور جن چیزوں میں مجھے نیت کی تلاش رہتی وہ میں نے اپنی بحث سے خارج کر دئے ہیں اور انہیں موجب ارتداد قرار نہیں دیا۔

میں نے مرزا صاحب کی نیت پر گرفت نہیں کی زبان پر کی ہے۔ اور نہ ہی وجہ ارتداد میں تعریض کو لیا ہے۔ بلکہ جس ہجو کو انہوں نے قرآن مجید سے مستند کیا اور اُسے قرآن مجید کی تفسیر گردانا۔ اور جس ہجو کو اپنی جانب سے حق کہا۔ وہ اُسے وجہ ارتداد سمجھتے ہیں۔ اور اس ضمن میں انہوں نے مرزا صاحب کے حسب ذیل اقوال داخل کئے ہیں۔ مگر میری نزدیک آپ کی یہ حرکات جائے افسوس نہیں کیونکہ آپ تو گالیاں دیتے تھے اور یہودی ہاتھ سے کسر نکال لیا کرتے تھے۔ اور کہا ہے کہ اس سے تعریض اور تصریح دونوں قسم کی توہین ظاہر ہوتی ہے۔ اور یہ کہ عیسائیوں نے آپ کے بہت سے معجزات لکھے ہیں مگر حق بات یہ ہے کہ آپ سے کوئی معجزہ نہیں ہوا۔ اس سے صریح عیسیٰ علیہ السلام کی توہین نکلتی ہے۔ کیونکہ حق بات کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ یہ مرزا صاحب کے اپنے فیصلہ کے الفاظ ہیں شاہ صاحب کی یہ رائے عین حق شناسی پر مبنی ہے اور جن اقوال سے انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کا نتیجہ نکالا ہے۔ ان سے واقعی ان کی توہین اخذ ہوتی ہے۔ باقی رہا

کسی نبی کا دوسرے نبی سے افضل ہونیکا سوال اس کے متعلق شاہ صاحب کے بیان کے حوالہ سے اوپر جواب دیا جا چکا ہے۔

چھٹی وجہ تکفیر بیان کردہ گواہان مدعیہ کا مدعا علیہ کیطرف سے یہ جواب دیا گیا ہے۔ کہ مرزا صاحب نے یہ کہیں نہیں لکھا کہ تمام اُمتِ محمدیہ مشرک ہے۔ بلکہ جس عبارت کا حوالہ گواہان مدعیہ کیطرف سے دیا جا کر یہ نتیجہ نکالا گیا ہے۔ اُس کے ساتھ ہی مرزا صاحب نے یہ لکھا ہے۔ کہ پہلے مسلمانوں سے یہ قول غلطی سے صادر ہوا ہے اور وہ لوگ خدا کے نزدیک معذور ہیں کیونکہ انہوں نے عمداً غلطی نہیں کی۔ اور انہوں نے حیاتِ مسیح کے عقیدہ کو مبداء شرک یا منجر الی الشرک قرار دیا ہے۔ اور اس کو شرک عظیم کہنا باعتبار مایؤل الیہ کے ہے۔ اور اِس امر کو حق بلاغت میں مجاز مرسل سے شمار کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں زیادہ بحث کی ضرورت نہیں۔ صرف یہ درج کیا جاتا ہے کہ حیاتِ عیسیٰ کے مسئلہ پر فریقین کو بحث کرنے سے روک دیا گیا تھا۔ کیونکہ ان کی جس قسم کی حیات کے تمام مسلمان قائل ہیں۔ وہ ادراکِ انسانی سے باہر ہے۔ اس لئے اُسے امرِ واقع کے طور پر ثابت کرنا ایک لاحاصل سعی ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ قرآن مجید کی رُو سے اِس ظاہر زندگی کے علاوہ ایک اور قسم کی زندگی بھی ہے۔ جسکو انسانی فہم اور عقل احاطہ نہیں کر سکتے۔ جیسا کہ شہداء کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔ کہ وہ خدا کے نزدیک زندہ ہیں۔ اور اس کے ہاں سے انہیں رزق ملتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ آیت لا تحسبن الذی قُتلوا .... من فضلہ پارہ ۴۔ رکوع ۷۔ ... سورہ آل عمران مُدعیہ کیطرف سے یہ بھی کہا گیا کہ مرزا صاحب نے ایک لفظ ذریۃ البغایا استعمال کر کے تمام مسلمانوں کو ولدالزنا قرار دیا ہے۔ اس کا جواب مدعا علیہ کیطرف سے یہ دیا گیا ہے کہ ذریۃ البغایا کے معنے وہ نہیں جو فریقِ مخالف نے لئے ہیں۔ کیونکہ ان معنوں کے لئے کوئی قرینہ موجود نہیں۔ ظاہر میں اس کے معنے ایک تو یہ ہیں کہ ہدایت سے دُور اور ناشائستہ آدمی۔ جن کی حالت یہ ہے کہ اُن کے دلوں پر مہریں ہیں وہ انہیں قبول نہ کریں گے۔ یا

یہ کہ وہ لوگ جو اپنے آپ کو لوگوں کا پیشوا اور امام سمجھتے ہیں۔ یعنے مولوی لوگ جو کفر کے فتوے لیکر شہر بشہر پھرتے ہیں۔ یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ کیونکہ بغایا کے معنے ہر اول کے بھی ہوتے ہیں۔ نیز بغایا مطلق عورتوں کو بھی کہتے ہیں۔ چاہے وہ فاجرہ ہوں یا نہوں۔ لیکن اس پر بھی زیادہ بحث کی ضرورت نہیں۔ اس لفظ کے استعمال اور طرز خطاب سے سمجھا جاسکتا ہے کہ وہاں اس لفظ سے کیا مُراد ہے۔

مرزا صاحب اپنے مکذبین اور منکرین کو کافر کہنے سے۔ مدعیہ کیطرف سے جو انہیں کافر کہا گیا ہے۔ اس کے متعلق مدعاعلیہ کیطرف سے یہ کہا گیا ہے کہ مرزا صاحب اپنے نہ ماننے والوں کو اسلئے کافر کہتے ہیں کہ جو شخص انہیں نہیں مانتا وہ انہیں مفتری قرار دیکر نہیں مانتا۔ اس لئے ان کی تکفیر کیوجہ سے وہ خود کافر بنتا ھے۔ لیکن یہ کوئی معقول جواب نہیں۔ کیونکہ ایک شخص اگر واقعہ میں کافر ہو تو اُسے کیوں کافر نہ کہا جاوے۔ اسطرح تو کسی پر بھی کفر کا فتوے نہیں لگایا جاسکتا۔ کیونکہ اُسے کافر کہنے والا خود کافر ہو جائے گا مرزا صاحب کے سچے یا جھوٹے نبی ہونیکے متعلق اوپر بحث کیجا چکی ہے۔ لہذا ان دلائل کی رُو سے اگر کوئی شخص ان کو کافر کہتا ہے تو معلوم نہیں ہوتا کہ وہ خود پھر کیونکر کافر ہو جائیگا۔ اور اگر بفرض محال یہ رائے درست بھی ہو۔ تو پھر صرف ان لوگوں کو کافر کہنا چاہئیے۔ جو مرزا صاحب کو کاذب یا کافر کہیں جو ان کی نہ تکذیب کرتے ہیں اور نہ تکفیر انہیں کیوں کافر کہا جاتا ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ انہیں کافر کہنے کی یہ وجہ نہیں کہ وہ مرزا صاحب کو مفتری جانکر کافر کہتے ہیں۔ بلکہ اُس کی وجہ خود مرزا صاحب نے اپنی کتاب فتاوے احمدیہ جلد اوّل صفحہ ۲۰۹ پر یہ بیان کیا ہے کہ کسیکا کوئی عمل میرے دعوے اور دلیلوں اور میرے پہچاننے کے بغیر مفید نہیں ہوسکتا۔ پھر آگے اس کتاب کے صفحہ ۳۰۸ پر لکھتے ہیں۔ کہ بہرحال حکم خدا تعالٰے نے مجھپر ظاہر کیا ہے۔ کہ ایک شخص کو جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اُس نے مجھے قبول نہیں کیا۔ وہ مسلمان نہیں اور خدا کے نزدیک

قابل مواخذہ ہے - اِن عبارات سے صاف اخذ ہوتا ہے کہ جو شخص مرزا صاحب کو نہیں مانتا خواہ ان کو کافر کہے یا نہ کہے وہ مسلمان نہیں - اور اُس کا کوئی عمل بارگاہ الٰہی میں قبول نہیں ہ مدعا علیہ کے گواہان نے ریاست ہذا کے لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانے اور یہ دکھلانے کے لئے کہ گواہان مدعیہ نے مرزا صاحب اور ان کے متبعین کے خلاف فتوائے تکفیر محض اپنے بغض اور عناد کی بناء پر اور اپنے بزرگان کے اعتقاد کا خوگر ہونیکی وجہ سے دیاہے - ورنہ دراصل مرزا صاحب ضروریات دین میں سے کسی چیز کے منکر نہیں ہیں - حضرت خواجہ غلام فرید صاحب علیہ الرحمۃ کہ جن کا نہ صرف ریاست بہاولپور کا ایک حصہ معتقد اور مُرید ہے بلکہ جن کے سندھ - بلوچستان - اور پنجاب میں بھی بکثرت مُرید پائے جاتے ہیں - کی ایک کتاب اشارات فریدی سے یہ دکھلایا ہے کہ ان کے نزدیک مرزا صاحب کسی عقیدہ اہلسنت والجماعت اور ضروریات دین میں سے کسی چیز کے منکر نہیں پائے جاتے بلکہ آپ اُنکے متعلق یہ لکھتے ہیں کہ وہ اپنے تمام اوقات خدا تعالےٰ کی عبادت میں گذارتے ہیں - اور حمایت دین پر کمربستہ ہیں - اور کہ علمائے وقت تمام مذاہب باطلہ کو چھوڑ کر اس نیک آدمی کے پیچھے پڑ گئے ہیں جو اہلسنت والجماعت میں سے ہے اور صراطِ مستقیم پر قائم ہے اور خواجہ صاحب کی اس تحریر پر بڑی شرح اور بسط سے بحث کیجا کر یہ دکھلایا گیا ہے کہ یہ الفاظ خواجہ صاحب کے اپنے ہی ہیں - اور انہوں نے مرزا صاحب کی کتابیں دیکھنے کے بعد یہ رائے قائم کی تھی - مدعیہ کیطرف سے بھی اس کا مفصل جواب دیا گیا ہے - اور یہ کہا گیا ہے کہ مرزا صاحب کی جو کتابیں خواجہ صاحب نے اسوقت تک دیکھیں تھیں - ان میں مرزا صاحب کا دعوائے نبوت درج نہ تھا - چنانچہ مرزا صاحب کی ایک تحریر سے جو آپ کی کتاب انجام آتھم صفحہ ۶۹ پر درج ہے پایا جاتا ہے کہ حضرت خواجہ صاحب بھی بعد میں مرزا صاحب کے مکفر اور مکذب ہو گئے تھے - مرزا صاحب اس تحریر میں لکھتے ہیں - کہ اب ہم ان مولویصاحبان کے نام ذیل میں لکھتے ہیں - کہ جن میں سے بعض

تو اس عاجز کو کافر بھی کہتے ہیں اور مفتری بھی - اور بعض کافر کہنے سے تو سکوت اختیار کرتے ہیں مگر مفتری اور کذّاب اور دجال نام رکھتے ہیں - بہر حال یہ تمام مکفرین اور مکذبین مباہلہ کیلئے بلائے گئے ہیں - اور ان کیساتھ وہ سجادہ نشین بھی ہیں جو مکفر اور مکذب ہیں - اور اس کیساتھ مرزا صاحب نے ہر دو گروہوں کی فہرستیں دی ہیں - اس فہرست میں میاں غلام فرید صاحب چشتی چاچڑاں علاقہ بہاولپور کا نام بھی درج ہے -

فریقین کی ان بحث ہائے کو مدنظر رکھتے ہوئے حسب ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں - مسلمانوں کے ایک مقدس اور نیک لوگوں کے گروہ کا نام صوفیائے ہے - ان صوفیائے کرام کو ذکر الٰہی عبادت اور ریاضت سے جو ذوق اور حظ حاصل ہوتا ہے - ایسی ان پر تجلیات الٰہی وارد ہوتی ہیں اور ان کے قلب کی کچھ اس قسم کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے - کہ جس سے وہ کچھ غیب کی خبروں پر مطلع ہو جاتے ہیں - اسکو وہ الہام یا کشف کہتے ہیں - اور بعض صوفیائے کرام نے اُسے مجازی طور پر وحی سے بھی تعبیر کیا ہے - یہ لوگ اپنے نبی کی تعلیم کے تحت عمل پیرا ہوتے ہیں - نبی مامور من اللہ ہوتا ہے - اور اُسے اللہ تعالےٰ کی جانب سے براہ راست غیب کی خبروں کی اطلاع دیجاتی رہتی ہے - اور اُسے حکم ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کے احکام لوگوں تک پہنچائے - انہیں قیامت کے دن سے ڈرائے - اور آئندہ زندگی کے حالات سے مطلع کرے - اور جس ذریعہ سے انہیں یہ اطلاع ہوتی ہے - اُسے وحی کہا جاتا ہے - اور وحی کی یہ اصطلاح انبیاء کیلئے ہی مختص ہے - دوسری جگہ اگر یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے - تو اُسے مجازی یا لغوی معنے لئے جاتے ہیں - انبیاء کو یہ وحی تین طریق پر ہوتی ہے - یا تو اللہ تعالےٰ کوئی بات کسی نبی کے دل میں ڈالدیتا ہے - یا فرشتوں میں سے کوئی قاصد بھیجکر اُس کے ذریعہ سے مطلع فرماتا ہے - یا پس پردہ خود کلام فرماتا ہے - یہ وحی چونکہ دخل شیطانی سے منزہ ہوتی ہے - اس لئے اُسے قطعی سمجھا جاتا ہے - اور اس کا نہ ماننا کفر ہے - اولیاء کا الہام یا کشف گو دخل شیطانی سے پاک بھی ہوتا ہم نہ وہ قطعی ہوتا ہے - اور نہ ہی دوسروں پر کوئی حجت ہوتا ہے بلکہ الہام اور کشف

کے ذریعہ قرآن مجید کے معارف اور اسرار سمجھائے جاتے ہیں۔ اور اس سلسلہ میں بعض اکابر صوفیائے کرام پر آیات قرآنی کا نزول بھی ہوتا ہے۔ ان آیات کو وہ اپنے اُوپر چسپاں نہیں کرتے۔ بلکہ جیسے کسی سیاح کو دوران سیاحت میں اعلےٰ مقامات دکھلائے جادیں۔ اِسطرح ان کو اعلیٰ مراتب روحانی کی سیر کرائی جاتی ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب جب اِس میدان میں گامزن ہوئے۔ اور اُنپر مکاشفات کا سلسلہ جاری ہونے لگا۔ تو وہ اپنے آپکو نہ سنبھال سکے۔ اور صوفیائے کرام کی کتابوں میں وحی اور نبوت کے الفاظ موجود پاکر انہوں نے سابقہ اولیاء اللہ سے اپنا مرتبہ بلند دکھلانیکی خاطر اپنے لئے نبوت کی ایک اصطلاح تجویز فرمائی۔ جب لوگ یہ لفظ سُن کر چونکنے لگے تو انہوں نے یہ کہکر انہیں خاموش کرنا چاہا۔ کہ تم گھبراتے کیوں ہو۔ آنحضرت صلعم کے اتباع سے جس مکالمہ اور مخاطبہ کے تم لوگ قائل ہو۔ میں اُس کی کثرت کا نام بموجب حکم الٰہی نبوۃ رکھتا ہوں۔ یہ صرف لفظی نزاع ہے۔ سو ہر شخص کو حق حاصل ہے۔ کہ وہ کوئی اصطلاح مقرر کرے۔ گویا انہوں نے۔ نبی کے لفظ کو برعکس اس کی اصل اور عام فہم مراد کے یہاں اصطلاحی طور پر کثرت مکالمہ اور مخاطبہ پر حاوی کیا۔ اور یہ اصطلاح بھی اللہ تعالےٰ کے حکم سے قائم کی۔ اسکے بعد معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ اِس لفظ کا استعمال کثرت سے اپنے متعلق کرنے لگے تو لوگ پھر چونکے۔ اس پر انہوں نے پھر یہ کہکر انہیں خاموش کیا۔ کہ میں کوئی اصلی نبی تو نہیں بلکہ اِس معنے میں کہ میں نے تمام کمال آنحضرت صلعم کے اتباع اور فیض سے حاصل کیا ہے۔ ظلی اور بروزی نبی ہوں۔ اور اِس کے بعد انہوں نے ان آیات قرآنی کو جو شاید کسی اچھے وقت میں ان پر نازل ہوئی تھیں اپنے اُوپر چسپاں کرنا شروع کر دیا۔ اور رفتہ رفتہ تشریعی نبوت کے دعوے کا اظہار کر دیا۔ لیکن صریح آیات قرآنی اور احادیث اور اقوال بزرگان سے جب انہیں اس میں کامیابی نظر نہ آئی۔ تو انہوں نے اس دعوے کو ترک کر کے اپنا مفر نزول عیسیٰ علیہ السلام کی احادیث میں جا تلاش کیا۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کو بذریعہ وحی ثابت کر کے یہ دکھلایا کہ ان

احادیث کا اصل مفہوم یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اُمت میں کسی شخص کو نبوۃ کا درجہ عطا کیا جائے گا۔ نہ یہ کہ حضرت مسیح ناصری واپس آئینگے۔ مدعا علیہ کے ایک گواہ کے بیان سے یہ اخذ ہوتا ہے۔ اور نا معلوم اس نے بطور خود یا مرزا صاحب کی کسی تحریر کی رُو سے یہ بیان دیا ہے۔ کہ احادیث میں جو عیسےٰ ابن مریم کے نزول کی خبر آئی ہے۔ اس میں رسول اللہ صلعم سے ایک اجتہادی غلطی ہو گئی ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ بعض پیش گوئیاں ایسی ہوتی ہیں۔ جو آئندہ زمانہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ لیکن حقیقت ان کے ظہور کے وقت نمایاں ہوتی ہے اور اجتہادی غلطی پیش گوئیوں کے سمجھنے میں یعنے کیفیت تحقق و قوع کے لحاظ سے نبی سے ممکن ہے۔ حتیٰ کہ رسول اللہ صلعم سے بھی اس کی مثال اُس نے بخاری کی ایک حدیث کا حوالہ دیکر یہ دی ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم نے ایک رؤیا کی بناء پر یہ سمجھا کہ وہ حجر یامہ کیطرف ہجرت فرمائیں گے۔ لیکن آپ جو وقت مدینہ کیطرف ہجرت کرکے تشریف لیگئے تو اس وقت آپ پر اس پیش گوئی کی حقیقت کھُلی۔ کہ اس سے مُراد مدینہ تھا۔ اور کہ جب نبی سے اجتہادی غلطی ممکن ہوئی تو پیش گوئی کے پُورا ہونیکے وقت اصل حقیقت پیش گوئی کی منکشف ہو جائیگی۔ اور کہ امتی کو پیش گوئی کے تحقق و توع کیوقت وقوع کا علم ہو جاتا ہے غرض مرزا صاحب نے سابقہ مراحل سے گذرنے کے بعد بڑھ چڑھکر اپنے مسیح موعود ہونیکے دعویٰ کا اظہار شروع کر دیا۔ اور نبوۃ کو پھر ایک ایسا گورکھ دھندہ بنا دیا۔ کہ جو نہ تو لوگوں کی سمجھ میں آسکا ہے اور نہ ہی اُنکے اپنے متبعین جیسا کہ اُوپر دکھلایا جا چکا ہے۔ اُن کے مرتبہ کو بخوبی سمجھ سکے ہیں۔ بلکہ خود خدا کو بھی نعوذ باللہ اُن کے نبی بنانے میں بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ کیونکہ جب خداوند تعالےٰ نے یہ محسوس فرمایا۔ کہ نعوذ باللہ اس کے حبیب سے ایک اجتہادی غلطی ہو گئی ہے۔ اب ان کی آن رکھنے کیلئے اور مرزا صاحب کو نبوۃ کا مرتبہ عطا فرمانے کے لئے اللہ تعالےٰ نے بقول مرزا صاحب پہلے تو ان تمام پیش گوئیوں کو جو قرآن میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے متعلق تھیں۔ مرزا صاحب کیطرف پھیر دیا۔ اور پھر انہیں کبھی مریم بنایا اور کبھی عیسیٰ

اور اس کے بعد بارش کیطرح وحی کر کے یہ جتلایا کہ عیسیٰ ابن مریم فوت ہو چکے ہیں اب تم بلا خوف خطر نبی ہونیکا دعوےٰ کر دو۔ اور جہاں پہلے وہ فاستمع لما یوحی اور یا ایہا المدثر قم فانذر کی تحکمانہ وحی کے ذریعے نبیوں کو چوکنا کر کے اپنی طرف سے مامور فرمایا کرتا تھا۔ وہاں مرزا صاحب کے لئے اُسے نعوذ باللہ مختلف حیل اختیار کرنے پڑے۔ مرزا صاحب کے اس طرز عمل سے نبی بننے سے یہ بات خود واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالےٰ کے ہاں نبوت کے عہدے ختم ہو چکے تھے۔ کیونکہ اُس نے پہلے تو مرزا صاحب کے لئے نبوت کی اصطلاح تجویز فرمائی۔ پھر وہ جب اُس سے خوش نہ ہوئے تو اُن کو نبی کا خطاب عطا فرما دیا۔ جیسا کہ نواب اور راجہ کے خطابات گورنمنٹ سے ان لوگوں کو بھی عطا فرمائے جاتے ہیں۔ جو صاحب ریاست نہ ہوں۔ لیکن جب مرزا صاحب کی اس سے بھی تشفی نہ ہوئی باوجودیکہ اللہ تعالیٰ انہیں یا ولدی بھی فرما چکا تھا۔ اور اس خیال سے کہ رسول اللہ صلعم کو چونکہ اللہ تعالےٰ قرآن مجید میں خاتم النبیین کر چکا تھا۔ وہ بھی کسی دوسرے نبی کے بننے سے خفا نہوں۔ مرزا صاحب کو آپ کا ظل بنا دیا گیا۔ اور آخر کار جب ان کی خوشی نبی بننے میں ہی دیکھی اور یہ بھی خیال آیا۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آخر زمانہ میں بھیجوانیکا وعدہ ہو چکا ہے۔ تو انہیں مار کر مرزا صاحب کو نبی بنا دیا گیا۔ استغفر اللہ

گواہ مدعا علیہ نے یہ بیان کیا ہے کہ نبی سے بھی اجتہادی غلطی ہو سکتی ہے تو پھر اس کا کیا اعتبار ہے کہ مرزا صاحب سے یہ غلطی ہوئی ہو گی۔ خصوصاً جبکہ مرزا صاحب رسول اللہ صلعم کے ظل بھی ہیں۔ غیر اغلب ہے کہ اصل کی فطرت ظل کی فطرت پر اثر انداز ہوئی ہو اور علاوہ ازیں مرزا صاحب اپنے اقرار کے مطابق آنحضرت صلعم سے زیادہ ذکی بھی نہیں پائے جاتے۔ کیونکہ خداوند تعالےٰ کی کئی سال کے متواتر وحی کے بعد انہوں نے یہ جا کر سمجھا کہ وہ نبی ہو چکے۔ اس لئے ممکن ہے کہ انہوں نے وحی الٰہی کا مفہوم غلط سمجھ کر دعوےٰ نبوت کر دیا ہو۔ مرزا صاحب کی اپنی تصریحات سے یہ پایا جاتا ہے کہ انہیں اُمتی ہونیکے وقت نزول مسیح کے متعلق وقوع

کا علم نہیں ہوا۔ بلکہ جب ان کو نبوت کا خطاب مل چکا۔ اس کے بعد انہیں یہ جتلایا گیا۔ کہ مسیح ناصری فوت ہو چکے ہیں۔ اس لئے مدعا علیہ کے گواہ کا یہ کہنا کہ امتی کو وقوع کے وقت تحقق وقوع کا علم ہو جاتا ہے۔ مرزا صاحب کی اپنی تصریحات سے باطل ہو جاتا ہے۔ گواہ مذکور نے رسول اللہ صلعم کی جس حدیث کا حوالہ دیکر یہ کہا ہے کہ آپ سے اجتہادی غلطی کا وقوع ممکن ہے اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ نے ہجرت کے وقت کوئی غلطی فرمائی۔ گواہ مذکور کی یہ حجت اُس وقت صحیح ہوتی کہ جب آپ بجائے مدینہ کے ہجر یا مہ کیطرف تشریف لیجاتے اور پھر وہاں سے مدینہ عالیہ کیطرف اٹھتے۔ وہاں جانے کے متعلق آپ کا صرف ایک خیال تھا۔ جو وقوع میں نہ آیا۔ اور اس رویا پر عمل اسطرح ہوا جسطرح مشیت ایزدی میں مقدر تھا۔ خود اس مثال سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ اگر نبی کو کسیطرح غلط فہمی ہو بھی جائے۔ تو اللہ تعالے کیطرف سے اُسکو فوراً رفع کر دیا جاتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ صدیوں تک وہ غلطی چلی جائے۔ اور نہ خود نبی پر اور نہ اُس کے کامل متبعین پر اس کا افشاء ہو۔ اس لئے یہ کہنا بڑی دلیری ہے کہ رسول اللہ صلعم سے نزول عیسیٰ علیہ السلام کی پیش گوئی بیان کرنے میں اجتہادی غلطی ہوئی ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے پھر اخیر عمر میں جا کر اپنے دعوے کی غلطی کو محسوس کیا اور پھر اصطلاحی نبوت کو ہی جا کر قائم کیا۔ جس سے انہوں نے اپنے دعوے کی ابتداء شروع کی تھی۔ جیسا کہ اُن کے اس خط سے جو انہوں نے وفات سے دو تین یوم قبل اخبار عام کے ایڈیٹر کے نام لکھا تھا۔ ظاہر ہوتا ہے۔ اس میں درج ہے کہ سو میں صرف اس وجہ سے نبی کہلاتا ہوں کہ عربی اور عبرانی زبان میں نبی کے یہ معنے ہیں کہ خدا سے الہام پاکر بکثرت پیش گوئی کرنیوالا۔ ان تمام واقعات کو مد نظر رکھتے ہوئے۔ سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ نے بجا طور پر یہ کہا ہے کہ مرزا صاحب کی کتابیں دیکھنے سے یہ بات پوری طرح روشن ہو جاتی ہے کہ ان کی ساری تصانیف میں صرف چند ہی مسائل کا تکرار اور دورہ ہے۔ ایک ہی مسئلہ اور ایک ہی مضمون کو بیسوں کتابوں میں مختلف عنوانوں سے ذکر کیا ہے اور پھر سب

اقوال میں اسقدر تہافت اور تعارض پایا جاتا ہے۔ اور خود مرزا صاحب کی ایسی پریشان خیالی ہے۔ اور بالقصد ایسی روش اختیار کی ہے۔ کہ جس سے نتیجہ گڑبڑ ہے اور ان کو بوقت ضرورت مخلص اور مفر باقی رہے۔ چنانچہ کہیں وہ تو ختم نبوت کے عقیدہ کو اپنے مشہور اور اجماعی معنے کیساتھ قطعی اور اجماعی عقیدہ کہتے ہیں۔ اور کہیں ایسے عقیدہ تبلانے والے مذہب کو لعنتی اور شیطانی مذہب قرار دیتے ہیں۔ کہیں عیسٰی علیہ السلام کے نزول کو تمام امت محمدیہ کے عقیدہ کے موافق متواترات دین میں داخل کرتے ہیں۔ اور اس پر اجماع ہونا نقل کرتے ہیں۔ اور کہیں اس عقیدہ کو مشرکانہ عقیدہ تبلاتے ہیں۔

ختم نبوت کا عقیدہ جیسا کہ اُوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ اسلام کے اہم اور بنیادی مسائل میں سے ہے اور خاتم النبیین کے جو معنے مدعا علیہ کیطرف سے بیان کئے گئے ہیں آیاتِ قرآنی اور احادیث صحیحہ سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کے صحیح معنے وہی ہیں جو گواہان مدعیہ نے بیان کئے ہیں۔ مدعا علیہ کیطرف سے اِس ضمن میں یہ کہا گیا ہے کہ یہ حدیث ہے۔ کہ قرآن شریف کی ہر آیت کے ایک ظاہری معنے ہیں اور ایک باطنی اور کہ تاویل کرنے والے کو کافر نہیں سمجھا گیا۔ اِس کا جواب سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ نے یہ دیا ہے کہ یہ حدیث قوی نہیں۔ اور باوجود قوی ہونے کے اس کی مراد میرے نزدیک صحیح ہے۔ اِس حدیث میں لفظ بطن سے تو جو کچھ رسول اللہ صلعم کے دِل میں تھا۔ وہ سب منکشف نہیں ہے۔ مجملاً ہم سمجھتے ہیں کہ قرآن کی مُراد وہ ہے کہ قواعد لغت اور عربیت سے اور ادلہ شریعت سے علماء شریعت سمجھ لیں۔ اور اس کے تحت میں قسمیں ہیں اور بطن سے یہ مراد ہے کہ حق تعالٰے اپنے ممتاز بندوں کو ان حقائق سے سرفراز کر دے۔ اور بہتوں سے وہ مخفی رہجائیں لیکن ایسا کوئی بطن جو مخالف ظاہر کے ہو۔ اور قواعدِ شریعت رد کرتے ہوں مقبول نہ ہوگا۔ اور رد کیا جائے گا۔ اور بعض اوقات باطنیت اور الحاد کی حد تک پہنچا دیگا۔ حاصل یہ ہے کہ ہم مکلف فرمانبردار بندے اپنے مقدور کے موافق ظاہر کی خدمت کریں۔

اور بطن کو سپرد کردیں خدا کے تاویل کے متعلق ان کا یہ جواب ہے۔ کہ اخبار احاد کی تاویل اگر کوئی شخص قواعد کے مطابق کرے۔ تو اُس کے قائل کو بدعتی نہیں کہیں گے۔ اگر قواعد کی رُو سے صحیح نہیں تو وہ خاطی ہے۔ آیات قرآنی متواتر ہیں۔ اور قرآن و حدیث جو نبی کریم سے ہم تک پہنچا اس کی دو جانبین ہیں۔ ایک ثبوت کی۔ دوسری دلالت کی۔ ثبوت قرآن کا متواتر ہے۔ اِس تواتر کا اگر کوئی انکار کرے۔ تو پھر قرآن کے ثبوت کی اس کے پاس کوئی صُورت نہیں۔ اور ایسا ہی جو شخص تواتر کی ثبوت کا انکار کرے اُس نے دین ڈھا دیا۔ دوسری جانب دلالت ہے۔ جسکا معنے یہ ہے۔ کہ مطلب پر رہنمائی کرنا۔ دلالت قرآن کی کبھی قطعی ہوتی ہے اور کبھی ظنی۔ اگر اجماع ہو جائے صحابہ کا اس کی دلالت پر یا کوئی اور دلیل عقلی یا نقلی قائم ہو جائے۔ کہ مدلول یہی ہے تو پھر وہ دلالت بھی قطعی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ قرآن سارا بسم اللہ سے لیکر والناس تک قطعی الثبوت ہے۔ دلالت میں کہیں ظنیت ہے اور کہیں قطعیت لیکن قرآن کے معنے کی دلالت بھی قطعی ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں تاویل اوامر و نواھی میں ہو سکتی ہے۔ اخبار میں نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ مدعیہ کے گواہ مولوی نجم الدین صاحب نے بیان کیا ہے۔ اِس بحث سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ آیت خاتم النبین قطعی الدلالت ہے۔ اور اُس کے بطن کے معنے ایسے نہیں ہو سکتے کہ جو رسول اللہ صلعم کے خاتم النبین بمعنے آخری نبی سمجھنے کے منافی ہوں۔ اور چونکہ یہ اجماعی عقیدہ ہے۔ اس لئے مذکورہ بالا معنے سے انکار کفر ہے مدعا علیہ کیطرف سے جو یہ کہا گیا ہے کہ تاویل کرنیوالے کو کافر نہیں سمجھا گیا۔ اور جن مسائل کی بنا پر اُس نے ایسا کہا ہے۔ وہ اِس قبیل کے نہیں۔ جیسا کہ مسئلہ ختم نبوت۔ لہذا یہ قرار دیا جاتا ہے۔ کہ خاتم النبین کے جو معنے مدعیہ کیطرف سے کئے گئے ہیں۔ اور اس معنے کے تحت جو عقیدہ ظاہر کیا گیا ہے۔ اِس عقیدہ سے انحراف وارتداد کی حد تک پہنچتا ہے اور کہ آنحضرت کے بعد عہدہ نبوت اور وحی نبوت منقطع ہو چکے ہیں۔ مرزا صاحب صحیح

اسلامی عقائد کی رُو سے نبی نہیں ہو سکتے - اور اُن کے نبی نہ ہونے کی تائید میں ایک یہ امر بھی ہے - کہ اُن کے متبعین میں سے ایک گروہ جو لاہوری کہلاتے ہیں - انہیں نبی تسلیم نہیں کرتے - لہذا ان کے مخالف جملہ فرقوں کے نزدیک اور ان کے ایک موافق فرقہ کی رائے میں رسول اللہ صلعم کا خاتم النبیین بمعنے آخری نبی ہونا ثابت ہے - اسلئے مرزا صاحب کی نبوت کا دعوئے کسی حالت میں بھی درست نہیں - ظلی اور بروزی نبی اگر آنحضرت صلعم کے کمال اتباع سے ہونے ممکن ہوتے تو اس قسم کے نبی مرزا صاحب کے ایسے قبل کئی آ چکے ہوتے - علاوہ ازیں مرزا صاحب کو درجہ کمال بھی اسوقت حاصل ہو سکتا تھا - کہ اس قسم کے اور کئی نبی پیدا ہو چکے ہوتے - کیونکہ ہر جنس کا کمال اس بات کو مستلزم ہے - کہ اس کے اور ناقص افراد موجود ہوں - چنانچہ رسول اللہ صلعم بھی اسی لئے افضل الانبیاء ہیں کہ سلسلہ رسالت اور نبوت میں دیگر انبیاء منسلک ہیں - مرزا صاحب نے اپنے آپ کو خاتم الاولیاء ظاہر کر کے یہ بیان کیا ہے کہ وہ ولایت ختم کر چکے - لیکن اِس سے وہ ولی ہی شمار ہوں گے - نبی نہیں سمجھے جائیں گے - حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے افاضہ روحانی سے اگر نبوت ملسکتی ہے تو ضرور ہے کہ اُن سے قبل ایسے نبی آتے کہ جن کے بعد انہیں درجہ کمال حاصل ہوتا - مدعیہ کیطرف سے یہ درست کہا گیا ہے کہ ظلی اور بروزی کی اصطلاحیں دراصل الفاظ ہی الفاظ ہیں ورنہ دراصل مرزا صاحب کی مُراد اِس سے اصل نبوت سے ہے - جیسا کہ اُس کی تشریح بعد میں ان کے خلیفہ ثانی نے کی - کچھ شک نہیں کہ یہ الفاظ مغالطہ پیدا کرنے کے لئے استعمال کئے گئے ہیں - ورنہ اُن کی کوئی حقیقت نہیں - اور نہ ہی شرع میں اِس قسم کے الفاظ پر کسی عقیدہ کا حصر ہے - مرزا صاحب نے یہ بیان کر کے کہ اِس قسم کی نبوت قیامت تک جاری ہے - اسلام میں ایک فتنہ کی بنا ڈالی ہے - اور نا ممکن نہیں کہ ان کے بعد کوئی اور شخص دعوئے نبوت کرے - انکی کارگذاری کو بھی ملیامیٹ کر دے - اِسطرح مذہب سے امان اُٹھ جائیگی - اور سوائے

اس کے کہ وہ ایک کھیل اور تمسخر بن جائے۔ اس کی کوئی حقیقت بحیثیت دین کے قائم
نہ رہیگی۔ اس لئے بھی رسول اللہ صلعم کا آخری نبی ماننا علاوہ عقائد صحیحہ میں سے ہونیکے از بس
ضروری ہے۔ مرزا صاحب رسول اللہ صلعم کو آخری نبی نہیں مانتے۔ اس لئے ان کا اسلام
کے اس بنیادی مسئلہ سے انکار کفر کی حد تک پہنچتا ہے۔ اس کے علاوہ ان کے دیگر عقائد
بھی ان عقائد کے مطابق نہیں پائے جاتے۔ جس کی آجتک امت مرحومہ پابند چلی آئی۔ نیز
خدا کا تصور اس نے تیندوے سے تشبیہ دیکر ایسا پیش کیا ہے کہ جو سراسر نص قرآنی کے
خلاف ہے۔ اور اسیطرح یہ بیان کر کے کہ خدا خطا بھی کرتا ہے اور صواب بھی۔ اور روزے
رکھتا ہے اور نماز پڑھتا ہے۔ انہوں نے ایک ایسے عقیدہ کا اظہار کیا ہے کہ جو سراسر نصوص
قرآنی کے خلاف ہے۔ انہوں نے آیات قرآنی کو اپنے اوپر چسپاں کیا ہے۔ جیسا کہ ایک آیت
ھوالذی ارسل رسولہ........ الخ کے متعلق انہوں نے یہ کہا کہ اس میں میرا
ذکر ہے۔ اور دوسرے الہام بالفاظ محمد رسول اللہ بیان کر کے یہ کہا کہ اس میں میرا نام محمد
رکھا گیا اور رسول بھی۔ اسیطرح اور کئی ایسی تصریحیں ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ وہ
آیات قرآنی کو اپنے اوپر چسپاں کرتے تھے۔ اس سے بھی رسول اللہ صلعم کی توہین کا
نتیجہ درست اخذ کیا گیا۔ اس طرح ان کے بعض اقوال سے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی بھی توہین
ظاہر ہوتی ہے۔ اور حضرت مریم کی شان میں مرزا صاحب نے جو کچھ کہا ہے اور جس کا حوالہ
شیخ الجامعہ صاحب گواہ مدعیہ کے بیان میں ہے۔ اور جس کا مدعا علیہ کیطرف سے کوئی جواب
نہیں دیا گیا۔ اس سے قرآن شریف کی صریح آیات کی تکذیب ہوتی ہے۔ یہ تمام امور ایسے
ہیں کہ جن سے سوائے مرزا صاحب کو کافر قرار دینے کے اور کوئی نتیجہ اخذ نہیں ہوتا۔ مدعا علیہ
کیطرف سے مرزا صاحب کی بعض کتب کے حوالے دئے جا کر یہ کہا گیا ہے۔ کہ مرزا صاحب
نے کسی نبی کی توہین نہیں کی۔ اس کا جواب سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ نے خوب دیا ہے
وہ کہتے ہیں کہ جب ایک جگہ کلمات توہین ثابت ہوگئے تو اگر ہزار جگہ کلمات مدحیہ لکھے ہیں

اور ثنا خوانی بھی کی ہو۔ تو وہ کفر سے نجات نہیں دلا سکتے۔ جیسا کہ تمام دُنیا اور دین کے قواعد مسلمہ اس پر شاہد ہیں۔ کہ اگر ایک شخص تمام عمر کسیکا اتباع اور اطاعت گذاری کرے۔ اور مدح و ثنا کرتا رہے۔ لیکن کبھی کبھی اس کی سخت ترین توہین بھی کر دے۔ تو کوئی انسان اس کو مطیع اور معتقد واقعی نہیں کہہ سکتا۔

مدعا علیہ کیطرف سے دیگر صوفیائے کرام کے بعض ایسے اقوال جو مرزا صاحب کے بعض اقوال کے مشابہ ہیں بیان کیئے جا کر یہ کہا گیا ہے۔ کہ ان اقوال کی بنا پر پھر ان بزرگان کو کیونکر مسلمان سمجھا جاتا ہے اس کا جواب بالفاظ سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ درج کیا جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اولیاء اللہ کو اُنکی طہارت۔ تقوےٰ اور تقدس کی خبریں سُنکر اور ان کے شواہدِ افعال و اعمال اور اخلاق سے تائید پا کر ولی مقبول تسلیم کر لیا ہے۔ اور قرائن اور نشانیوں سے جو خارج مبحوث عنہ سے ہوں یعنے انہی شطحیات سے ان کی ولایت ثابت نہ کرنی ہو۔ بلکہ ولایت ان کی خارج سے پایۂ ثبوت کو پہنچی ہو۔ جو طریقہ ثبوت کا ہے۔ اس کے بعد کہ ہم نے کسی کی ولایت تسلیم کی۔ اور ہم اس تسلیم میں صواب پر تھے۔ تو اُس کے بعد اگر کوئی کلمہ مغائر یا موہم ہمارے سامنے پڑتا ہے۔ تو ہم اس کی کوشش کرتے ہیں۔ کہ اس کی توجیہہ کریں۔ اور حل نکالیں۔ اور یہ کہ اس کا ٹھکانہ کیا ہے۔ شطحیات کو ہی پہلے پیش کرنا اور اس پر ولایت کا جمگھٹ جمانا نافہم اور جاہل کا کام ہے۔ کسی شخص کی راستبازی اگر جُداگانہ تجارب سے اور جو طریقہ راستبازی ثابت کرنیکا ہے۔ ثابت ہوئی ہو۔ تو پھر اگر کوئی کلمہ موہم اور مغالطہ میں ڈالنے والا اس کا سامنے آگیا۔ تو منصف طبیعتوں کے ذہن اُس کی توضیح کریں گے۔ اور حل نکالینگے یہ عاقل کا کام نہیں ہے۔ کہ راستبازی کسی کی ثابت ہونیسے پیشتر وہی کلمات مغالطہ پیش کر کے مسلمۃ الثبوت مقبولوں پر قیاس کرے۔ اور کہے کہ فلاں نے ایسا کیا۔ فلاں نے ایسا کیا اس کا جواب مختصر یہ ہوگا کہ فلاں کی راستبازی جُداگانہ اگر ہمیں کسی طریقہ اور دلیل سے معلوم ہے۔ تو ہم محتاج توجیہہ ہوں گے۔ اور اگر زیر بحث یہی کلمات ہیں اور اس سے پیشتر کچھ

سامان خیر کا ہے۔ ہی نہیں۔ تو ہم یہ کوئی پونجی اُس کے مُنہ پر ماریں گے۔

مدعا علیہ کیطرف سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ علماء نے یہ کہا ہے کہ اہلِ قبلہ کی تکفیر جائز نہیں اور کہ جو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہے اس کو بھی کافر کہنا درست نہیں وغیرہ وغیرہ ان شبہات کا جواب بھی شاہ صاحب گواہ مدعیہ نے خود دیا ہے۔ جو انہیں کے الفاظ میں درج کیا جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ بات کہ اہلِ قبلہ کی تکفیر جائز نہیں بے علمی اور ناواقفیت پر مبنی ہے۔ کیونکہ حسب تصریح و اتفاق علماء اہلِ قبلہ کے یہ معنے نہیں۔ کہ جو قبلہ کیطرف مُنہ کرے۔ وہ مسلمان ہے۔ چاہے سارے عقائدِ اسلام کا انکار ہی کرے۔ قرآن مجید میں منافقین کو عام کفار سے زیادہ تر کافر ٹھیرایا گیا ہے۔ حالانکہ وہ فقط قبلہ ہی کیطرف منہ ہی نہیں کرتے تھے۔ بلکہ تمام ظاہری احکام اسلام ادا کرتے تھے۔ اہلِ قبلہ سے مُراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے کہ اتفاق کیا ضروریات دین پر۔ اور یہ جو مسئلہ ہے کہ اہلِ قبلہ کی تکفیر نہیں۔ اس کی مراد یہ ہے کہ کافر نہیں ہوگا۔ جبتک کہ نشانی کفر کی اور علامتیں کفر کی اور کوئی چیز موجبات کفر میں سے نہ پائی گئی ہو۔

دوسرا شبہ یہ کہ یہ کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ نماز۔ روزہ۔ حج اور زکوٰۃ تمام ارکان اسلام کے پابند اور تبلیغ اسلام میں کوشش کرنیوالے ہیں پھر ان کو کیسے کافر کہا جائے۔

اس کے جواب میں انہوں نے ایک حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے یہ فرمایا ہے۔ کہ اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ یہ قوم جس کے متعلق آنحضرت صلعم فرماتے ہیں کہ دین اسلام سے صاف نکلجائیگی۔ اور اِن کے قتل کرنے میں بڑا ثواب ہے۔ یہ لوگ نماز روزے کے پابند ہوں گے۔ بلکہ ظاہری خشوع اور خضوع کی کیفیات بھی ایسی ہونگی کہ ان کے نماز روزے کے مقابلے میں مسلمان اپنے نماز روزے کو بھی ہیچ سمجھیں گے۔ لیکن اس کے باوجود جبکہ بعض ضروریات دین کا انکار اُن سے ثابت ہوا۔ تو اُن کی نماز روزہ وغیرہ ان کو حکم کفر سے رہا نہ کرسکی

تیسرا شبہ یہ ہے کہ یہ کہا جاتا ہے۔ کہ فقہائے نے ایسے شخص کو مسلمان ہی کہا ہے جسکی کلام میں ۹۹ وجہ کفر کی موجود ہو۔ اور صرف ایک وجہ اسلام کی اس کا جواب یہ ہے۔

کہ اس کا منشا بھی یہی ہے کہ فقہا کے بعض الفاظ دیکھ لئے گئے اور اُس کے معنے سمجھنے کی کوشش نہ کیگئی۔ اور نہ اُن کے وہ اقوال دیکھے جن میں صراحتاً بیان کیا گیا ہے۔ کہ یہ حکم اپنے عموم پر نہیں ہے۔ بلکہ اسوقت ہے۔ جبکہ قائل کا صرف ایک کلام مفتی کے سامنے آوے۔ اور قائل کا کوئی دوسرا حال معلوم نہ ہو۔ اور نہ اُس کے کلام میں کوئی ایسی تصریح ہو۔ جس سے معنے کفر متعین ہو جائے۔ تو ایسی حالت میں مفتی کا فرض ہے کہ معاملہ تکفیر میں احتیاط برتے۔ اور اگر کوئی خفیف سے خفیف احتمال ایسا نکل سکے جسکی بنا پر یہ کلام کلمہ کفر سے بچ جائے۔ تو اس احتمال کو اختیار کرے۔ اور اُس شخص کو کافر نہ کہے لیکن اگر ایک شخص کا یہی کلمہ کفر اس کی سینکڑوں تحریرات میں بعنوانات والفاظ مختلفہ موجود ہو۔ جس کو دیکھکر یہ یقین ہو جائے۔ کہ یہی معنے۔ معنے کفری مراد لیتا ہے۔ یا خود اپنے کلام میں معنے کفری کی تصریح کر دے۔ تو باجماع فقہاء اس کو ہرگز مسلمان نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ قطعی طور پر ایسے شخص پر کفر کا حکم لگایا جائیگا۔

چوتھا شبہ یہ ہے۔ کہ اگر کوئی کلمہ کفر کسی تاویل کیساتھ کہا جاوے۔ تو کفر کا حکم نہیں۔ اس کا جواب۔ ہے کہ اس میں بھی وہی تصریحات فقہا سے ناواقفیت کارکن ہے۔ حضرات فقہائے اور متکلمین کی تصریحات موجود ہیں۔ کہ تاویل اس کلام اور اس چیز میں مانع تکفیر ہوتی ہے۔ جو ضروریات دین میں سے نہو۔ لیکن ضروریات دین میں اگر کوئی تاویل کرے اور اجماعی عقیدہ کے خلاف کوئی نیا معنے تراشے تو بلاشبہ اُس کو کافر کہا جائے گا۔ اُسے قرآن مجید نے الحاد اور حدیث نے اس کا نام زندیق رکھا ہے۔ زندیق اُسے کہتے ہیں جو مذہبی لٹریچر بدلے یعنے الفاظ کی حقیقت بدل دے۔ مرزا صاحب نے جیسا کہ اُوپر دکھلایا جا چکا ہے بہت سے اسلامی عقائد کے حقائق بدل دئے ہیں گو ان کے الفاظ وہی رہنے دئے ہیں اس لئے

ان کو حسب تصریحات مذکورہ بالا کافر ہی قرار دینا پڑے گا۔ اور ان عقائد کے تحت ان کا اتباع کرنے والا بھی اسیطرح ہی کافر سمجھا جائیگا۔

مدعاعلیہ کیطرف سے گواہان مدعیہ پر ایک یہ اعتراض بھی وارد کیا گیا ہے۔ کہ وہ دیوبندی عقائد سے تعلق رکھنے والے ہیں اور علمائے دیوبند کے خلاف فتوائے تکفیر شائع ہو چکا ہے۔ اس لئے ایک شخص جو خود کافر ہو وہ کیسطرح دوسرے کے متعلق کفر کا فتوئے دیسکتا ھے اس کا جواب مدعیہ کیطرف سے ایک تو یہ دیا گیا ہے کہ اس کے تمام گواہان دیوبندی صاحبان نہیں ہیں۔ مثلاً شیخ الجامعہ صاحب۔ مولوی محمد حسین صاحب اور مولوی نجم الدین صاحب۔ دوسرا دیوبندی صاحبان کے خلاف فتوائے تکفیر ایک غلط فہمی کی بنار پر دیا گیا تھا۔ جو بعد میں واپس لیا جا چکا ہے۔ اگر یہ صحیح نہ بھی ہو تو بھی مدعاعلیہ کی حجت اس بنار پر صحیح نہیں۔ کہ ان کی رائے کو بطور فتوئے قبول نہیں کیا گیا۔ بلکہ انکی پیش کردہ دلائل پر مدعاعلیہ کے پیش کردہ دلائل کے مقابلہ میں تنقید کیجا کر رائے قائم کیگئی ہے۔ اسلئے چاہے وہ کسی فرقہ سے تعلق رکھنے والے ہوں۔ انکی ذاتی رائے پر کوئی عمل نہیں کیا گیا بلکہ یہ دیکھا گیا ہے کہ قرآن شریف اور احادیث کی رُو سے کس فریق کے دلائل صحیح ہیں اور کس کے غلط۔ اس لئے ان کے خلاف اگر کوئی فتوئے تکفیر ہو بھی تو اس معاملہ پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔

اس کے علاوہ مدعاعلیہ کیطرف سے یہ کہا گیا ہے۔ کہ مدراس ہائی کورٹ نے اپنے فیصلہ میں یہ قرار دیا تھا۔ کہ اس سوال کو عقائد قادیانی سے ارتداد واقع ہوتا ہے یا نہ علمار اسلام ہی بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں۔ لہذا علمائے اسلام کی تحقیق کے لئے یہ دیکھنا ضروری ھے۔ کہ جن لوگوں نے اس مقدمہ میں شہادتیں دی ہیں۔ اور اُس پر فتوئے کفر لگایا ہے۔ وہ خود بھی مسلمان ہیں یا نہ اور اسطرح فیصلہ کرنیوالیکا مسلمان ثابت ہونا بھی ضروری ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہر دو فریق کا ادعا ہے کہ وہ مذہب اسلام سے

تعلق رکھتے ہیں لیکن چند اہم اور بنیادی مسائل کے متعلق ہر دو کا اختلاف ہے۔ اور وہ ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں۔ لھذا اس بارہ میں عام رنیادی اصول کے مطابق رائے اس فرقہ کی غالب سمجھی جائیگی جس میں کثرت ہو۔ یہ اکثریت بحق مدعیہ پائی جاتی ہے۔ اس لئے فریق مدعیہ کی رائے ہی غالب رہیگی۔ اور اُسے مسلمان اور اقلیت کو کافر سمجھا جائیگا۔ لھذا اس قرارداد کے تحت مدعیہ کے کسی گواہ کے خارجی طور پر مسلمان ثابت کئے جانیکی ضرورت نہیں۔ اور فیصلہ کنندہ بھی اس ذیل میں مسلمان شمار ہوگا۔ علاوہ ازیں مدعاعلیہ نے اپنی بحث میں جب مدراس ہائی کورٹ کے فیصلہ کو شرعاً درست تسلیم کرکے اپنے اوپر حجت مان لیاہے۔ تو کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ شرعاً عدالت ہذا کا فیصلہ اس پر حجت نہو سکے۔

گواہان مدعیہ پر مدعاعلیہ کیطرف سے کنایتہ اور بھی کئی ذاتی حملے کئے گئے ہیں۔ مثلاً انہیں علماء سوء کہا گیا۔ اور یہ کہا گیاہے کہ رسول اللہ صلعم نے خود ہی ایسے مولویوں کو جو ذریتہ البغایا میں مخاطب ہیں۔ بندر اور سور کا لقب دیا ھے۔ اور دوسری حدیث میں فرمایا ہے۔ کہ وہ آسمان کے نیچے سب سے بدتر مخلوق ہوں گے۔ لیکن ملاحظہ مثل سے ہر عقلمند آدمی اندازہ لگا سکتا ہے۔ کہ طرفین کے علماء میں سے ان احادیث کا صحیح مصداق کون ہیں۔

مرزا صاحب کے دعوئے نبوت کے سلسلہ میں ایک اور مسئلہ پر بھی مختصر بحث کی ضرورت ہے۔ وہ یہ کہ مرزا صاحب اپنے آپ کو اس لئے بھی نبی سمجھتے ہیں کہ انہیں مسیح موعود ہونیکا بھی دعوئے ہے۔ اور مسیح موعود کو چونکہ احادیث میں نبی اللہ کہا گیا ہے۔ اسلئے مرزا صاحب نبی اللہ ہوئے۔ اس کے متعلق جیسا کہ اوپر دکھلایا گیاہے۔ مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے۔ کہ مسیح موعود حضرت عیسیٰ ابن مریم ہی ہیں اور کہ آخر زمانہ میں وہی اسمان سے نزول فرمائیں گے۔ اور وہ چونکہ پہلے سے نبی اللہ ہیں۔ اس لئے پھر بھی نبی اللہ ہونگے۔

مگر وہ عمل شریعت محمدیہ پر کریں گے۔ اپنی شریعت پر نہیں چلیں گے۔ اس کی مثال مدینہ کیطرف سے یہ دیگئی ہے۔ کہ جیسے کسی دوسرے علاقہ کا گورنر کسی دوسرے گورنر کے علاقہ میں چلا جائے۔ تو وہاں اپنے عہدہ کے لحاظ سے گو وہ گورنر شمار ہو گا۔ لیکن دوسرے گورنر کے علاقہ میں وہ اس گورنر کی حکومت کے تابع ہو کر رہے گا۔ اپنے علاقہ کے قوانین یا آئین پر عمل پیرا نہیں ہو سکیگا۔ اس لئے رسول اللہ صلعم چونکہ قیامت تک کے لوگوں کے لئے مبعوث ہوئے ہیں۔ اس لئے قیامت تک آپ کی شریعت ہی نافذ رہیگی۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس شریعت کے تحت عمل پیرا ہونگے۔

اس مثال سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا امتی نبی ہونا تو واضح ہو جاتا ہے۔ لیکن آجکل کے تعلیم یافتہ لوگوں کو نزول مسیح کا عقیدہ بہت عجب معلوم ہوتا ہے۔ اور انکے ذہن اس بات کو قبول نہیں کرتے۔ کہ کسطرح ایک شخص کئی ہزار سال کے بعد دنیا میں واپس آسکتا ہے۔ شک نہیں کہ علوم جدیدہ کی روشنی میں یہ مسئلہ بہت کچھ قابل اعتراض معلوم ہوتا ہے۔ اور جیسا کہ مولٰنا محمد علی صاحب اپنی کتاب دین و آئین میں لکھتے ہیں اس قسم کے اعتراضات سے عہدہ برآ ہونے کے لئے جواب دینے والے بالعموم یہ روش اختیار کرتے ہیں کہ جن قباحتوں کے چہرہ پر موجودہ مسلمات کا روغن قازمل دیا جاتا ہے ان کو قباحت سمجھنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں دیکھتے اور جس حملہ کیساتھ فلسفہ اور سائنس کا نقارہ بجتا ہوا سن پاتے ہیں اپنے ہوش و حواس کو اس کے مقابلہ پر قائم رکھنے کی جرأت نہیں کرتے۔ اور ایک مجرم کیطرح اپنی بریت کی یہی صورت دیکھتے ہیں۔ کہ اپنے فعل کو دلیری کیساتھ حق بجانب ثابت کرنیکی بجائے ہاتھ جوڑ کر اس کے ارتکاب سے انکار کریں اور مذہب کی حمایت میں صرف یہ کہکر دامن چھڑائیں۔ کہ جس مسئلہ پر اعتراض ہے وہ اسلامی اصول میں داخل نہیں۔ مولٰنا موصوف آگے لکھتے ہیں ایسے اعتراضوں کے ایسے جواب آجکل فیشن میں داخل ہیں اور جواب دینے والے گویا یقین کر لیتے ہیں کہ

تہذیب جدید جس امر پر تیسخ ہونیکا فتوے صادر کرتی ہے۔ اس میں کوئی حسن باقی نہ رہا ہوگا ان کا بس چلتا ہے تو قرآن اور حدیث پر۔ ان دونوں سے جسطرح بن پڑتا ہے۔ رہائی پانے کی سبیل نکال لیتے ہیں۔ اپنے ذاتی خیالات کو اسلام اور ایسے اسلام کو سب اعتراضوں سے پاک تصور کر لیتے ہیں۔

مسئلہ نزول مسیح بھی اسی قبیل کا ہے۔ کہ جس پر اس قسم کے اعتراض وارد کئے جاتے ہیں۔ لیکن جو شخص قرآن پر اعتقاد رکھتا ہے۔ اسے اس پر یقین رکھنے میں کوئی تردد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ قرآن مجید میں ایک شخص کو سو سال کے بعد زندہ کرنیکا واقعہ موجود ہے۔ اسیطرح اصحاب کہف تین سو سال سے زائد عرصہ تک غار میں بحالتِ خواب پڑے رہے۔ اس لئے وہ امور اگر ذاتِ باری کے لئے ناممکنات میں سے نہ تھے تو حضرتِ عیسٰی علیہ السلام کا دوبارہ دنیا میں بھیجنا بھی اس کے آگے کوئی مشکل نہیں۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام کی پیدائش جسطرح غیر معمولی طریق پر ہوئی۔ اسیطرح اُن کے نزول کو بھی غیر معمولی طریق پر وقوع میں آنا تصور کیا جا سکتا ہے۔ باقی رہا اس پیشگوئی کی صداقت کا سوال اُس کے صحیح ہونے میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ اگر یہ پیشگوئی صحیح نہوتی تو مرزا صاحب نے جہاں کئی دیگر متواترات کا انکار کیا تھا۔ وہاں اُس کا بھی انکار فرما دیتے۔ لیکن وہ بھی اس کی صحت سے انکار نہیں کر سکے۔ اور اُس کی ممکن سے ممکن جو بھی تاویل ہو سکتی تھی۔ وہ بیان کرنے میں انہوں نے کوئی دریغ نہیں کیا۔ لیکن اوپر کی بحث سے پایا جاتا ہے کہ قرآن واحادیث کی رُو سے وہ تاویل درست ثابت نہیں ہوئی۔ اور سوائے اِس کے کہ یہی عقیدہ رکھا جائے۔ کہ اس پیشگوئی کی رُو سے حضرت عیسٰی ابنِ مریم ہی دُنیا میں واپس تشریف لادیں گے۔ اِس کا اور کوئی حل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ان کے سوا آنحضرت صلعم کے بعد اور کوئی نیا نبی نہیں ہو سکتا اِس لئے اِس عقیدہ کو اگر قائم رکھا جاوے۔ تو جو لوگ حضرتِ عیسٰی علیہ السلام کے نزول

کے وقت زندہ ہوں گے۔ انہیں خود اس پیشگوئی کی تصدیق ہو جائیگی۔ اور جو اس سے قبل فوت ہوں گے۔ خداوند تعالےٰ ان کے ساتھ وہی معاملہ فرمائے گا۔ کہ جو اُن سے قبل اس عقیدہ پر وفات پاتے رہے۔ البتہ اس عقیدہ کو چھوڑنے والا ضرور گنہگار ہوگا۔ کیونکہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان کا مکذب سمجھا جائے گا۔

باقی رہا یہ سوال کہ آیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ فرمایا بھی ہے یا نہ۔ کیونکہ تنگی طبیعتیں یہ کہہ سکتی ہیں کہ احادیث کی تدوین چونکہ بہت مدت کے بعد ہوئی اس لئے کیونکر پورے اطمینان سے یہ کہا جاسکتا ہے۔ کہ راویوں کو احادیث کے پورے الفاظ یاد رہے ہیں۔ یا یہ کہ ان الفاظ سے رسول اللہ صلعم کی مُراد وہی تھی جو کہ ان راویوں نے سمجھی۔ اس کا جواب تو علماء ہی بہتر دے سکتے ہیں۔ میرے نزدیک اُس کا موٹا جواب یہ ہے۔ کہ اگر یہ حدیث ہو صحیح۔ اور ہم نے اس کا عقیدہ دیا چھوڑ۔ تو قیامت کے دن ہم جوابدہ ہوں گے۔ اور اگر یہ حدیث صحیح نہ بھی ہو تو اس پر محض ایک عقیدہ رکھنے سے جو قرآن کے کسی صورت میں بھی مخالف نہیں پایا جاتا۔ ہمارا کیا بگڑتا ہے۔ لہذا بہر حال ہمیں اس پر عقیدہ رکھنا لازمی ہے۔

مدعا علیہ کیطرف سے ایک یہ مغالطہ پیدا کرنیکی کوشش کیگئی ہے۔ کہ اگر حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا نزول مانا جاوے تو اس سے یہ سمجھا جائیگا کہ رسول اللہ صلعم کی امت میں سے ایسا کوئی شخص اہلیت نہ رکھتا تھا کہ اُسے لوگوں کی اصلاح کیلئے مامور فرمایا جاتا اور اس سے اُمت کی توہین لازم آئیگی۔

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ خداوند تعالےٰ کیطرف سے کسی شخص کا مامور ہونا اسکے کسی استحقاق کی بناء پر نہیں ہوتا۔ دوسرا احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ اسوقت امت کیحالت بہت ابتر ہوگی۔ اسلئے ممکن ہے کہ اس وقت تک کوئی بھی اس فرض کے

سرانجام دینے کا اہل نہ پایا جاوے۔ اس لئے مخلوق کی اصلاح کے لئے سابقہ انبیاؤں میں سے
ہی ایک کو واپس لایا جانا ضروری سمجھا گیا ہو۔ یہ باتیں مشیت ایزدی سے تعلق رکھتی ہیں
اس لئے انہیں کوئی رائے زنی نہیں کیجاسکتی۔

ہمارے دلوں میں یہ شکوک دراصل اس لئے پیدا ہوتے ہیں۔ کہ ہم ہدایت قرآنی
پر پوری طرح پابند نہیں ہیں۔ اگر ہم تمام احکام ربانی پر عمل کریں تو اس حالت کے
نتائج ہی اعتراض کرنے والوں کو خاموش کردیتے ہیں۔ اور جیساکہ مولنا محمود علی صاحب نے
اپنے ایک اور مضمون میں تحریر فرمایا ہے۔ جبتک مسلمان لقدکان لکم فی رسول اللہ
اسوۃ حسنہ پر عمل جاہل رہے۔ انہیں نہ خود کوئی تکلیف پیش آئی اور نہ دوسروں پر
اثر ڈالنے کے لئے کسی دشواری کا سامنا ہوا۔ اور جب قوم کی قوم ہی ایک رنگ میں رنگین
ہو۔ تو ایسا منظر شکوک کو غبار بنا کر اڑا دیتا ہے۔ اور اعتراض کی گنجائش نہیں چھوڑتا۔ مگر
افسوس جیساکہ مولنا اپنی کتاب محولہ بالا میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ سب سے بڑی ضرورت
بلکہ زندگی کا واحد مقصد آجکل یہ قرار پاگیا ہے۔ کہ انسانی زندگی کی ہر ساعت اور ہر ثانیہ
کے اندر تمام تر توجہ اس مادی سامان کے مہیا کرنے۔ اس کو کام میں لانے اور اس کے
نتائج سے لطف اٹھانے پر مبذول رہے۔ اور موجودہ زندگی کے بعد کوئی خیال اور
اس کے لئے کسی عمل اور کسب کا کوئی ارادہ اور اس دنیا سے باہر کی ہستی کیساتھ تعلق
رکھنے کا کوئی وہم بھی دل میں نہ آنے پاوے۔ اور اپنی تمام کوششوں کا محور اس دنیا
کو اور یہاں کی چندروزہ زندگی کو سمجھنا صحیح اصول کا رہے۔ یہ حالت کیوں پیش آئی
اس کا جواب بھی مولنا محمود علیصاحب کی ایک تحریر سے دیا جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں
کہ قرآن کے پیش کرنیوالے جو زبان سے کہتے ہیں وہ کر کے نہیں دکھلاتے۔ اور وعظ و
نصیحت میں فصاحت آزائیہ پر انسانی طرز کلام کو ترجیح دیکر منطقی موشگافیوں اور
شاعرانہ مبالغوں سے کام لیتے ہیں۔ اور رہنمائی سے زیادہ اپنے فضل و کمال کی نمائش

چاہتے ہیں۔ حالانکہ اہلِ ایمان پر نہ بحث نہ مناظرہ فرض ہے نہ منطقیانہ موشگافیوں اور فلسفیانہ معرکہ آرائیوں کی ضرورت وہی روشنی ھدایت جو کلام الٰہی نے پیش کی ہے۔اسی طرزِ ادا سے جو اِس ہادی برحق نے اختیار کی ہے ہر عالم و جاہل تک پہنچا دینے کی ضرورت ہے سب کا ہدایت پانا اور تمام مخلوق کا ایک راہ اختیار کرنا۔ ممکن نہیں۔ ورنہ کلامِ الٰہی میں اب بھی وہی کشش ہے۔ اور قرآن کریم کے اندر جذبِ قلوب کا وہی اثر غافل انسانوں کو خوابِ غفلت سے جگانیوالا اور تشنہ گان ہدایت کو شراب معرفت سے سیراب کرنیوالا اگر ہے تو صرف قرآن کریم۔

اور اِس کلام مبارک کا ایک ایک لفظ چشمِ بینا کو محوِ حیرت کرنے اور دلِ دانا کا دامن کھینچنے میں وہ تاثیر دکھاتا ہے جو آئینہ پر جمالِ یار اور پرِ کاہ پہ کہربا۔

مدعا علیہ کیطرف سے اِس بات پر بہت زور دیا گیا ہے۔ کہ علماء و ائمہ کی اندھی تقلید درست نہیں۔ یہ ٹھیک ہے۔ قرآن مجید میں ہر شخص کو خود بھی تدبر کرنا چاہیئے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تمام قواعد و دیگر لوازمات کو جو معنے اخذ کرنے کیلئے ضروری ہیں پس پشت ڈالکر اپنی سمجھ پر چلنا شروع کر دیا جاوے۔ جیسا کہ خود مدعا علیہ کے اپنے گواہان کے طرزِ عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک تو آیت و بالآخرۃ ھم یوقنون کے یہ معنے کرتا ہے کہ یومِ آخرت پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ اور دوسرا آخرت کے معنے زمانہ آخر کی وحی بتلاتا ہے ذرا احمدی صاحبان خود بھی تو سوچیں کہ انہوں نے دین کو کیا مذاق بنا رکھا ہے۔

اِس بحث کے بعد اب اصل معاملہ متنازعہ کو طے کرنے کے لئے یہ بتلانا ہے کہ اسلام کے وہ کون سے بنیادی اصول ہیں کہ جن سے اختلاف کرنے سے ارتداد واقع ہو جاتا ہے۔ یا یہ کہ کن اسلامی عقائد کی پیروی نہ کرنے سے ایک شخص مرتد سمجھا جاسکتا ہے اور کہ عقائد قادیانی سے ارتداد واقع ہوتا ہے یا نہ۔

اوپر کی تمام بحث سے یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ مسئلہ ختم نبوت اسلام کے بنیادی اصول

یں سے ہے۔ اور کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین بایں معنی نہ ماننے سے کہ آپ آخری نبی ہیں ارتداد واقع ہو جاتا ہے۔ اور کہ عقائد اسلامی کی رُو سے ایک شخص کلمہ کفر کہکر بھی دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

مدعاعلیہ مرزا غلام احمد صاحب کو عقائد قادیانی کی رُو سے نبی مانتا ہے اور ان کی تعلیم کے مطابق یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اُمّت محمدیہ میں قیامت تک سلسلۂ نبوت جاری ہے۔ یعنے کہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاتم النبیین بمعنے آخری نبی تسلیم نہیں کرتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی دوسرے شخص کو نیا نبی تسلیم کرنے سے جو قباحتیں لازم آتی ہیں ان کی تفصیل اوپر بیان کیجا چکی ہے۔ اس لئے مدعاعلیہ اس اجماعی عقیدہ سے منحرف ہونیکی وجہ سے مرتد سمجھا جاویگا۔ اور اگر ارتداد کے معنے کسی مذہب کے اصولوں سے کُلی انحراف کے لئے جاویں تو بھی مدعاعلیہ مرزا صاحب کو نبی ماننے سے ایک نئے مذہب کا پیرو سمجھا جائیگا۔ کیونکہ اس صورت میں اُس کے لئے قرآن کی تفسیر اور معمول بہ مرزا صاحب کی وحی ہوگی۔ نہ کہ احادیث و اقوال فقہا جن پر کہ اسوقت تک مذہب اسلام قائم چلا آیا ہے اور جن میں سے بعض کے مستند ہونیکو خود مرزا صاحب نے بھی تسلیم کیا ہے۔

علاوہ ازیں احمدی مذہب میں بعض احکام ایسے ہیں کہ جو شرع محمدی پر مستزاد ہیں۔ اور بعض اس کے خلاف ہیں۔ مثلاً چندہ ماہواری کا دینا جیسا کہ اوپر دکھلایا گیا ہے زکوٰۃ پر ایک زائد حکم ہے۔ اسطرح غیر احمدی کا جنازہ نہ پڑھنا کسی احمدی کی لڑکی غیر احمدی کو نکاح میں نہ دینا کسی غیر احمدی کے پیچھے نماز نہ پڑھنا شرع محمدی کے خلاف اعمال ہیں۔

مدعاعلیہ کیطرف سے ان امور کی توجیہیں بیان کیگئی ہیں کہ وہ کیوں غیر احمدی کا جنازہ نہیں پڑھتے کیوں ان کو نکاح میں لڑکی نہیں دیتے اور کیوں اُن کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔ لیکن یہ توجیہیں اس لئے کارآمد نہیں کہ یہ امور ان کے پیشواؤں کے احکام میں مذکور

ہیں۔ اِس لئے وہ ان کے نقطۂ نگاہ سے شریعت کا جزو۔ سمجھے جائیں گے۔ جو کسی صورت
میں بھی شرع محمدی کے موافق اتصور نہیں ہو سکتے۔ اِس کے ساتھ جب یہ دیکھا جاوے
کہ وہ تمام غیر احمدی کو کافر سمجھتے ہیں۔ تو ان کے مذہب کو مذہب اسلام سے ایک جدا مذہب
قرار دینے میں کوئی شک نہیں رہتا۔ علاوہ ازیں مدعا علیہ کے گواہ مولوی جلال الدین شمس
نے اپنے بیان میں مسیلمہ وغیرہ کاذب مدعیان نبوت کے سلسلہ میں جو کچھ کہا ہے۔ اُس
سے یہ پایا جاتا ہے کہ گواہ مذکور کے نزدیک دعوئے نبوت کاذبہ ارتداد ہے۔ اور کاذب
مدعی نبوت کو جو مان لے وہ مرتد سمجھا جاتا ہے۔

مدعیہ کیطرف سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مرزا صاحب کاذب مدعی نبوت ہیں۔ اِس لئے
مدعا علیہ بھی مرزا صاحب کو نبی تسلیم کرنے سے مرتد قرار دیا جائیگا۔ لہذا ابتدائی تنقیحات
جو ۴ نومبر ۱۹۲۶ء عیسوی کو عدالت منصفی احمد پور شرقیہ سے وضع کیگئی تھیں۔ بحق مدعیہ
ثابت قرار دیجا کر یہ قرار دیا جاتا ہے کہ مدعا علیہ قادیانی عقائد اختیار کرنیکی وجہ سے
مرتد ہو چکا ہے۔ لہذا اِس کے ساتھ مدعیہ کا نکاح تاریخ ارتداد مدعا علیہ سے فسخ ہو چکا ہے
اور اگر مدعا علیہ کے عقائد کو بحث مذکورہ بالا کی روشنی میں دیکھا جاوے تو بھی مدعا علیہ کے
ادعا کے مطابق مدعیہ یہ ثابت کرنے میں کامیاب رہی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
کے بعد کوئی اُمتی نبی نہیں ہو سکتا۔ اور کہ اِس کے علاوہ جو دیگر عقائد مدعا علیہ نے اپنی طرف
منسوب کئے ہیں۔ وہ گو عام اسلامی عقائد کے مطابق ہیں لیکن ان عقائد پر وہ انہی معنوں میں
عمل پیرا سمجھا جاویگا۔ جو معنے کہ مرزا صاحب نے بیان کئے ہیں اور یہ معنی اور چونکہ ان معنوں کے مغائر ہیں
جو جمہور اُمت آجتک لیتی آئی۔ اسلئے بھی وہ مسلمان نہیں سمجھا جا سکتا ہے اور ہر دو صورتوں میں وہ مرتد ہی ہے
اور مرتد کا نکاح چونکہ ارتداد سے فسخ ہو جاتا ہے۔ لہذا ڈگری بدیں مضمون بحق مدعیہ صادر
کیجاتی ہے۔ کہ وہ تاریخ ارتداد مدعا علیہ سے اسکی زوجہ نہیں رہی۔ مدعیہ خرچہ مقدمہ بھی از اں مدعا علیہ لینے کی حقدار ہوگی
اس ضمن میں مدعا علیہ کیطرف سے ایک سوال یہ پیدا کیا گیا ہے کہ ہر دو فریق چونکہ

قرآن مجید کو کتاب اللہ سمجھتے ہیں۔ اور اہلِ کتاب کا نکاح جائز ہے۔ اس لئے بھی مدعیہ کا نکاح فسخ قرار نہیں دینا چاہیئے۔ اس کے متعلق مدعیہ کیطرف سے یہ کہا گیا ہے کہ جب دونوں فریق ایک دوسرے کو مرتد سمجھتے ہیں تو ان کو اپنے اپنے عقائد کی رُو سے بھی انکا باہمی نکاح قائم نہیں رہتا۔ علاوہ ازیں اہلِ کتاب عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے نہ کہ مردوں سے بھی۔ مدعیہ کے دعوے کی رُو سے چونکہ مدعاعلیہ مرتد ہو چکا ہے۔ اس لئے اہلِ کتاب ہونیکی حیثیت سے بھی اُس کے ساتھ مدعیہ کا نکاح قائم نہیں رہ سکتا۔ مدعیہ کی یہ حجت وزندار پائی جاتی ہے۔ لہٰذا اس بناء پر بھی وہ ڈگری پانیکی مستحق ہے۔

مدعاعلیہ کیطرف سے اپنے حق میں چند نظائرِ قانونی کا بھی حوالہ دیا گیا تھا۔ ان میں سے پٹنہ اور پنجاب ہائی کورٹ کے فیصلہ جات کو عدالت عالیہ چیف کورٹ نے پہلے واقعاتِ مقدمہ ہذا پر حاوی نہیں سمجھا۔ اور مدراس ہائی کورٹ کے فیصلہ کو عدالتِ معلّے اجلاس خاص نے قابلِ پیروی قرار نہیں دیا۔ باقی رہا عدالتِ عالیہ چیفکورٹ بہاولپور کا فیصلہ بمقدمہ مسمات جندوڈی بنام کریم بخش اس کی کیفیت یہ ہے کہ یہ فیصلہ جناب مہتہ اودھو داس صاحب جج چیف کورٹ کے اجلاس سے صادر ہوا تھا۔ اور اس مقدمہ کا صاحبِ موصوف نے مدراس ہائی کورٹ کے فیصلہ پر ہی انحصار رکھتے ہوئے فیصلہ فرمایا تھا۔ اور خود اُن اختلافی مسائل پر جو فیصلہ مذکور میں درج تھے۔ کوئی محاکمہ نہیں فرمایا تھا۔ مقدمہ چونکہ بہت عرصہ سے دائر تھا۔ اس لئے صاحبِ موصوف نے اُسے زیادہ عرصہ معرضِ تعویق میں رکھنا پسند نہ فرما کر باتباع فیصلہ مذکورا سے طے فرما دیا۔ دربار معلّے نے چونکہ اس فیصلہ کو قابلِ پابندی قرار نہیں دیا۔ جس فیصلہ کی بناء پر کہ وہ فیصلہ صادر ہوا۔ اس لئے فیصلہ زیرِ بحث بھی قابلِ پابندی نہیں رہتا۔

فریقین میں سے مختار مدعیہ حاضر ہے اُسے حکم سنایا گیا مدعاعلیہ کارروائی مقدمہ ہذا ختم ہونیکے بعد جبکہ مقدمہ زیرِ غور تھا۔ فوت ہو گیا ہے۔

اس کے خلاف یہ حکم زیر آرڈر ۲۲ رول ۶ ضابطہ دیوانی تصور ہوگا۔ پرچہ ڈگری مرتب کیا جاوے اور مسل داخل دفتر ہو۔

۷ر فروری ۱۹۳۵ء مطابق ۳ ذیقعد ۱۳۵۳ھ
بمقام بہاولپور

دستخط
محمد اکبر ڈسٹرکٹ جج ضلع بہاول نگر
ریاست بہاولپور
(بحروف انگریزی)

ملنے کا پتہ :- مولوی ابوالعباس محمد صادق موری دروازہ بہاولپور

تردید مرزائیت میں تائید الحق سلسلہ صادقیہ کے چند اہم رسائل

مؤلفہ

مولٰنا ابوالعباس محمد صادق صاحب معلم ثانی جامعہ عباسیہ بہاولپور

مرزا اور یسوع — اس مختصر رسالہ میں اولاً مرزا کے مصنفات سے دس حوالے ایسے درج کئے گئے ہیں جنمیں مرزا نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی توہین مختلف عنوانوں اور ناموں سے کی ہے۔ اس توہین سے بچنے کیلئے آجتک مرزا اور اس کی جماعت تین جواب دیتی ہے۔

(۱) یہ توہین یسوع کی ہے نہ عیسٰی علیہ السلام کی (۲) یہ اقوال الزاماً کہے گئے ہیں نہ تحقیقاً (۳) عشق محمدی کیوجہ سے مجبور ہو کر پادریوں کے مقابلہ میں بطور انتقام کے کہے گئے ہیں۔ مؤلف رسالہ نے ان ہرسہ جوابات کا ابطال خود مرزا کے اقوال ہی سے اس خوبی سے کیا ہے۔ کہ ہر انصاف پسند انسان بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ کہ یہ ہرسہ جوابات نہایت مہمل اور ناقابل اعتنا ہیں۔ اور مرزا نے دیدہ دانستہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی توہین و منقصت کی ہے۔ قیمت علاوہ محصول صرف ار

مرزا اور محمدی بیگم — یہ رسالہ اس موضوع میں بےنظیر تالیف ہے اسمیں محمدی بیگم کی پیشگوئی اور اس کے بعد کے وہ تمام واقعات و حالات جن کو اس پیشگوئی سے تعلق تھا۔ بطور سوال و جواب جمع کیا ہے لطف یہ ہے کہ جوابات خود مرزا کے اپنے الفاظ میں درج کئے گئے ہیں جنکی صحت سے کسی مرزائی کو بھی انکار نہیں ہوسکیگا۔ قابلدید ہے۔ قیمت علاوہ محصول (ایک آنہ) فی سینکڑہ پانچروپے

مرزا اور مہدی — یہ ایک مختصر رسالہ ہے جس میں ایک مقدمہ اور دو باب ہیں۔ اس میں ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام کی آمد کے متعلق جسقدر احادیث وارد ہیں اور جو صفات اور علامات احادیث میں مذکور ہیں۔ ان میں سے ایک وصف بھی مرزا پر صادق نہیں آتی۔ پھر ان احادیث کا جواب دیا گیا ہے۔ جنکو خود مرزا یا اس کی جماعت مرزا کی مہدویت کے ثبوت میں پیش کرتی ہے۔ اس موضوع پر یہ قابلدید رسالہ ہے۔ قیمت علاوہ محصول صرف ار فی سینکڑہ (پانچروپے) زیر طبع

المشتہر

(مولوی) محمد عاشق موری دروازہ بہاولپور